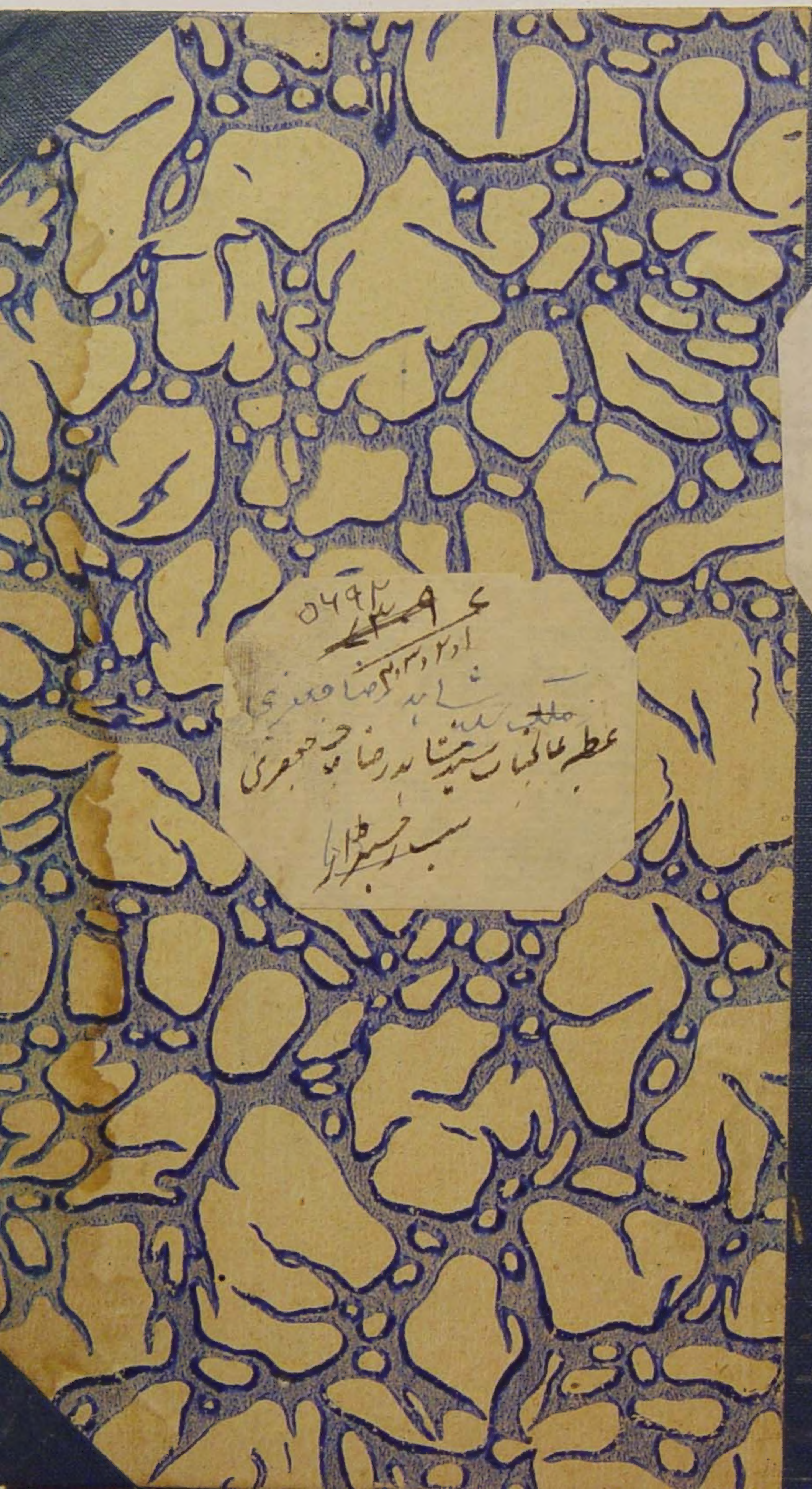

۵۶۹۲ ~~ع ۳۰۹~~

ا و ۲ و ۳ و ۴

شاہد رضا جعفری

عطیہ عالیجناب سید شاہد رضا جعفری

ستمبر ۱۲

انعامی نمبر ۵۶۹۲ اصلاح ۱ ~~۶~~ رجسٹرڈ سی ۳۷۸

۷۶
26.3

بَلْ یَدَاہُ مَبْسُوطَتَانِ

از تصانیف جناب فخر الحکما صدر العلما مولانا الحاج
السیّد علی اظہر صاحب دامت برکاتہ ⁂

سید شاہد رضا کھجوی

ارسال الیدین

۱۳۲۷

۵۶۹۲

ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے والا رسالہ
تمامی خریداران اصلاح ۱۳۲۷ھ کے لئے تحفہ

مطبع اصلاح کھجوہ ضلع سارن سے شائع ہوا

ارسال الیدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطاہرین اما بعد اس رسالہ کی غرض اصلی اس امر کی تحقیق ہے کہ نماز پڑہنے مین ہاتھ کھول کر پڑہنا چاہیے جو طریقہ شیعہ ہے یا ہاتھ باندہ کر جو طریقہ اہلسنت ہے۔ مگر اس تحقیقات کا مدار صرف کتب معتبرہ اہلسنت پر ہے نہ کوئی روایت شیعہ لیجائیگی نہ اونکی کسی کتاب کا حوالہ دیا جائیگا۔

چونکہ اسکے قبل تین مسئلہ کی تحقیق اسی قاعدہ سے ہو چکی ہے ایک مسئلہ کلوخ جسمین رسالہ الحجرہ تصنیف ہوا اور اوسنے تمام عالم کو بتادیا کہ کلوخ لینے کے بارے مین کسی طرح کی حدیث رسول اللہ سے نہین منقول ہے۔ بلکہ تمامی اہلسنت اس مسئلہ میں حضرت عمر کی سنت پر قائم ہیں جسنے ثابت کردیا کہ اہلسنت کا عمل طریقہ عمری پر ہے نہ سنت نبیؐ پر۔

دوسرا رسالہ وضو جسنے بدیہی طور پر کھول دیا کہ خلاف نص صریح قرآن فامسحوا برءوسکم وارجلکم الی الکعبین جو طریقہ اہلسنت مین جاری ہے کہ وہ

غسل قدمین کرتے ہین اسکے موجد بھی عمر صاحب ہین نہ خدا اور رسول تیسرا رسالہ البسملہ ہے جسنے تمام عالم پر ثابت کر دیا کہ رسول اللہ کا عام طریقہ یہی تھا کہ نماز مین ہر سورہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو باواز بلند پڑھا کرتے تھے۔ مگر چونکہ عمر صاحب اسے نماز مین نہ پڑھتے تھے اسلئے وہی طریقہ اہلسنت مین رائج ہوا اور آیات و احادیث کے خلاف آج تک عمل کر رہے ہین خواہ اہل حدیث ہون یا حنفی۔ حالانکہ خاص طور پر صحیح بخاری مین اسکا حکم تاکیدی موجود ہے کہ پیشاب مین پوری طہارت کرو عذاب قبر بیشتر اسیوجہ سے ہوتا ہے مگر چونکہ حضرت عمر پانی سے استنجا نہ کرتے تھے بلکہ دیوار پر رگڑ لیتے یا زمین پر وہی دستور اہلسنت مین جاری ہے بلکہ اوسی صحیح بخاری مین کا بھی حکم ہے کہ حضرت نے قبرون پر تر ڈالیان رکھین اور بریدہ اسلمی صحابی نے اسکی وصیت کی کہ بوقت دفن اونکے ساتھ جریدتین رکھے جائین۔ مگر اہلسنت کا عمل خلاف ہے لہذا نہایت واضح طور پر معلوم ہوا کہ اہلسنت کا عمل سنت عمر پر ہے اور اہل حق شیعہ اثنا عشریہ کا عمل سنت رسول اللہ پر کہ ایک امر مین بھی سنت نبوی کی مخالفت نہین کرتے۔ تو کیا اب بھی اسکے مدعی ہو سکتے ہین کہ اونکا عمل سنت رسول اللہ پر ہے؟ ہرگز نہین۔

اب اس رسالہ کی تقسیم ایک مقدمہ اور دو جملون پر کی جاتی ہے پہلے جملہ مین ہاتھ کھولنے کے دلائل مذکور ہونگے اور دوسرے جملہ مین ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کے دلائل کا ابطال کیا جائیگا شاید کوئی مسلمان اس سے ہدایت پائے اور راہ حق قبول کرے واللہ ولی التوفیق۔

مقدمہ

اس مسئلہ مین اہلسنت کا چار مذہب ہے جسکو علامہ عبد الوہاب شعرانی اپنی کتاب رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ مین ان لفظون سے لکھتے ہین۔

فصل واجمعوا على انه يسن وضع اليمين على الشمال في الصلوة الا في رواية عن مالك وهي المشهورة انه يرسل يديه ارسالا وقال الاوزاعي بالتخيير واختلفوا في محل وضع اليدين فقال ابوحنيفة تحت السرة وقال مالك والشافعي تحت صدره فوق سرته وعن احمد روايتان اشهرهما وهي التي اختارها الخرقي كمذهب ابوحنيفة والسنة عند الثلاثة ان ينظر المصلي الى موضع سجوده ص۳ مطبوعہ مصر حاشیہ میزان الکبری

اجماع کیا ہے (آئمہ اہلسنت نے) کہ سنت ہے رکھنا داہنے ہاتھ کا بائین ہاتھ پر نماز مین (۲) مگر مالک سے روایت ہے اور وہی مشہور بھی ہے کہ وہ ہاتھون کو کھولکر نماز پڑھتے تھے (۳) اوزاعی قائل تخییر ہین کہ نماز پڑھنے والے کو اختیار ہے ہاتھ کھولکر نماز پڑھے یا باندھ کر۔

اب اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین (۱) ابوحنیفہ کہتے ہین زیر ناف۔ (۲) مالک شافعی کہتے ہین ناف کے اوپر سینہ کے نیچے احمد سے دو روایت ہے مشہور جسے خرقی نے بھی اختیار کیا ہے۔ مطابق ابوحنیفہ ہے (زیر ناف.

اور تینون کے نزدیک یہ سنت ہے کہ مصلی نماز مین نظر کرے طرف موضع سجود اپنے ۔

تو اب معلوم ہوا کہ ہر امام کا مذہب جداگانہ ہے ایک ہاتھ کھولتا ہے دوسرا سینہ پر تیسرا زیر ناف رکھتا ہے چوتھا کہتا ہے جہان چاہو رکھو جس سے ایک معمولی سمجھہ کا آدمی بھی اس نتیجہ پر ضرور پہنچتا ہے کہ یہ مذہب رسول اللہ سے نہین لیا گیا ہے نہ اونکے طریقہ پر انکا عمل ہے ۔ کیونکہ یہ ضرور ہے کہ حضرت کا کوئی خاص معمول تھا جسکے مطابق آپ نماز پڑھتے ۔ اگر اس مذہب کے اصول و فروع آپ سے ماخوذ ہوئے تو اونمین یہ اختلاف نہوتا ۔ اگر کوئی یہ کھے کہ حضرت ہر طرح سے پڑھتے تھے یعنی کوئی آپکا خاص طریقہ نہ تھا ۔ بلکہ جب جیسا دلمین آیا ویسا کیا ہے ۔

تو گویہ مقولہ کسی مسلم کا نہین ہو سکتا جو حضرت پر ایسا اتہام لگائے ۔ مگر بالفرض اگر یہی بات ہے تو پھر ہر امام نے ایک خاص طریقہ اپنا کیون بنا رکھا جس سی معلوم ہوا کہ بغرض تفریق جماعت مسلمین ۔ فرقہ بندی قایم کرنے کے لئے ہر امام نے ایک ایک خاص صورت نکالی کہ مسلمانون کی جماعت متفرق ہو تاکہ معلوم ہو کون کس مذہب کا پابند ہے حالانکہ خداوند عالم فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا و لا تفرقوا فتذھب ریحکم

شعرانی سے تعجب ہے کہ آخر اونہون نے وضع یمین علی الشمال پر دعوے اجماع کیون کیا ۔ حالانکہ اسی مقام پر وہ لکھ رہے ہین کہ مذہب مالک ارسال ہے (ہاتھہ کھولنا) اور اوزاعی کی نسبت کہتے ہین کہ وہ قائل تخییر ہین ۔

کہ مصلی مختار ہے ہاتھ کھولکر پڑھے یا باندھ کر پھر اجماع کہان رہا

حالانکہ یہی شعرانی اپنی میزان کبری مین امام شافعی سے ناقل ہین وبه صرح الشافعی فی الام فقال وان ارسلهما ولم یعبث بهما فلا باس ص ۱۲۶ یعنی اسکی تصریح کی ہے شافعی نے ام مین کہ اگر دونو ہاتھ کھول دے اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین۔ لہذا معلوم ہوا کہ شافعی بھی ارسال کے قائل ہین اور اسکو جائز جانتے ہین۔

اس تصریح سے معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ مین کوئی دلیل شرعی انلوگونکے پاس نہین ہے جس سے ہر قسم کے فتوے دیے گئے۔ آہ آہ نماز جو عمدہ ارکان دین سے ہے بلکہ مطابق عقاید اہلحدیث اصول دین مین داخل ہے۔ اوسکی کیا گت بنائی گئی کہ ظاہری صورت پر بھی نماز کے اتفاق نہین کہ آخر نماز پڑھی جائے تو کسطرح جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگون نے کبھی دیکھا ہی نہین کہ رسولؐ اللہ کیونکر نماز پڑھتے ہین۔ ہاتھ باندھتے ہین یا کھول کر پڑھتے ہین۔

ان اختلافات سے آپ اس نتیجہ پر بھی ضرور پہونچینگے کہ کوئی روایت صحیح انکے پاس نہین ہے جس سے استدلال کرسکین۔ کیونکہ اگر کوئی حدیث ہوتی تو اسقدر اختلافات نہوتے۔

اف ری بیخبری مسلمانون کی نماز سے اور اوسکے ارکان وآداب سے کہ اسدرجہ بیخبر رہے کہ یہ بھی نہ معلوم ہوا سنت رسول کیا تھی اور اسپر دعوے اسلام ہے۔

یہ سب نتیجہ ہے اتباع صحابہ کا جو ماخذ احکام شریعت بنائے گئے اور

اور اونکی روایت یا فعل پر مذہب کا مدار کہا گیا ورنہ اگر وہ اتباع ثقلین کرتے کتاب و عترت طاہرہ سے احکام لیتے تو ہرگز کوئی اختلاف نہ ہوتا یہی وجہ ہے کہ نہ شیعوں مین کوئی اختلاف ہے نہ کوئی افتراق تمامی مومنین ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین جو سنت رسول اللہ ہے۔

مصالح قبض و بسط ید

اگر اس بیان شافی سے کہ اگر یہ لوگ عامل سنت رسول ہوتے تو یہ اختلاف نہوتا تشفی نہو تو مزید تسکین کے لئے اون فواید و مصالح پر نظر کیجئے جو حضرات اہلسنت نے اپنی موشگافی سے یہان توجیہ نکالی ہین۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی میزان کبری مین لکھتے ہین ص ۱۲۵ جلد اول مطبوعہ مصر

ومن ذلك اتفاق الائمة على استحباب وضع اليمين على الشمال في القيام وما قام مقامه مع قول مالك في اشهر روايتيه انه يرسل يديه ارسالاً ومع قول الاوزاعي انه يتخير فالاول مشدد والثاني وما بعده مخفف وان تفاوت التخفيف ووجه الاول ان صورة موقف

یعنی اسی قبیل سے ہے اتفاق ائمہ اربعہ اسپر کہ نماز مین داہنا ہاتھ بائین پر رکھنا چاہیے یا جو اسکے قایم مقام ہو۔ حالانکہ قول مالک مشہور ترین روایات مین یہ ہے کہ وہ دونو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین پوری طور سے۔ اور قول اوزاعی یہ ہے کہ آدمی کو اختیار ہے چاہے کھولے یا باندھے۔

پس پہلا قول (باندھنے کا) مشدد ہے

العبد بين يدى سيده وهو خاص بالاكابر من العلماء والاولياء بخلاف الاصاغر فان الاولى لهم ارخاء اليدين عملا قال به مالك رحمه الله وايضاح ذلك ان وضع اليمين على اليسار يحتاج فى مراعاته الى صرف الذهن اليه فيخرج بذلك كمال الاقبال على مناجاة الله عز وجل التى هى روح الصلوة وحقيقتها بخلاف ارخائهما بجنبيه ثم اختلفوا فى محل وضع اليدين فقال ابو حنيفة تحت السرة وقال مالك والشافعى تحت صدره فوق سرته وعن احمد روايتان اشهرهما كمذهب ابى حنيفة واختارها الخرقى ووجه

(یعنی سختی کرنے والا) اور دوسرا مخفف ہے تخفیف کرنے والا اگرچہ درجہ تخفیف مین تفاوت ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ عبد کی صورت سامنے اپنے آقا کے یہی ہونی چاہئے۔ اور یہ خاص رہے اکابر علما اور اولیا کے ساتھ بخلاف اصاغر (چھوٹے درجہ کے لوگ) کہ اونکے لئے یہی اولی ہے کہ ارخاء کریں (ہاتھ کھولے رہے ہین) جیسا کہ مذہب مالک ہے توضیح اسکی یہ ہے کہ دائین ہاتھہ کا رکھنا بائین پر۔ اسکا محتاج ہے کہ ذہن بٹا رہے جس سے کمال اقبال یعنی توجہ مین کمی آجائیگی۔ حالانکہ یہی روح نماز ہے اور حقیقت صلاۃ (یعنی ہاتھ باندہنے سے خضوع وخشوع مین کمی ہوتی ہے) بخلاف ہاتھ کھولنے کے دونو طرف رکھ دینے کے

الاول خفة كونها تحت السرة على المصلي بخلاف وضعها تحت الصدر فانه يحتاج الى مراعاتهما لثقل اليدين وتدليهما اذا طال الوقوف فرجع الامر الى مرتبتي الميزان فلذلك كان استحباب وضع اليدين تحت الصدر خاصًا بالاكابر الذين يقدرون على مراعاة شيئين معًا في آن واحدٍ دون الاصاغر وسمعت سيدي عليا الخواص رحمة الله يقول وجه قول من قال بعدم استحباب وضع اليدين تحت الصدر مع ورود ذلك من فعل الشارع كون مراعاة المصلّي دوامها تحت الصّدر يشغله غالبًا عن مراعاة

خضوع مین کمی نہو گی)

پھر اسمین اختلاف ہے کہ دونو ہاتھ کہان رکھے جائین۔ ابوحنیفہ تو تحت السرہ کہتے ہین (زیر ناف) اور مالک وشافعی کہتے ہین تحت الصدر فوق السرہ (سینہ کے نیچے ناف کے اوپر) احمد سے دو روایت ہے مشہور وہی ہے جو موافق ابوحنیفہ ہے۔ اسیکو خرقی نے اختیار کیا ہے پہلے (زیر ناف) کی یہ وجہ ہے کہ اگر وہان رکہینگے تو نماز پڑہنے والے پر کوئی نقل۔ (بوجھ) نہوگا۔ بخلاف اسکے کہ اگر سینہ کے نیچے رکھینگے۔ تو وہ اسکا محتاج ہوگا کہ ہر وقت اوسکا خیال رکہا جائے۔ کیونکہ ہاتھ خود ثقیل ہے۔ اور فطرۃً وہ نیچے لٹکا چاہتاہے جب دیر تک قیام رہے۔

كمال الاقبال على مناجاة
الله عز وجل فكان ارسالهما
او جعلهما تحت السرة
مع كمال الاقبال على المناجاة
والحضور مع الله اولى
من مراعاة هيئة من الهيئات
فمن عرف من نفسه العجز
عن مراعاة كون يديه تحت
صدره في الصلوة الا مع
الغفلة عن كمال الاقبال
على الله عز وجل فارسال
يديه بجنبيه اولى وبه
صرح الشافعي في الام فقال
وان ارسلهما ولم يعبث
بهما فلا بأس ومن عرف
من نفسه القدرة على الجمع
بين الشيئين معاً فان
ولحد كان وضع يديه
تحت صدره اولى وبذلك

تو اب میزان کے دونو طرف
رجوع کرنا پڑا - اسلیے مستحب ہوا
ہاتھ رکھنا سینہ کے نیچے - اکابر (علما
اولیاء) کے لئے جو قادر ہیں دونو
امر کی مراعات کے (یعنی خضوع
کا بھی خیال رکھیں - اور ہاتھونکو
سینہ کے نیچے بھی سنبھالیں) نہ اصاغر
(یعنی کم درجہ والونکے لئے یہ حکم نہیں
ہے)

میںنے اپنے سید علی خواص رحمہ سے
سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ جو لوگ
اسکے قائل ہیں کہ سینہ کے نیچے
رکھنا چاہیے حالانکہ یہ فعل شارع سے
ثابت ہے (با وصف ثبوت مخالفت
کمال تعجب خیز ہے) تو اسکی یہ وجہ
ہے کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے حضور
قلب پورا نہیں حاصل ہوتا حالانکہ
اصل نماز ہی حضور قلب ہے - اسی
لئے ہاتھون کا کھولنا اولی ہے

تحصیل الجمع بین اقوال الائمہ رضی اللہ عنہم اجمعین

۱۲۵

اور اسکی تصریح کی ہے شافعی نے کتاب ام مین کہ " اگر ہاتھون کو کھولدے دونو بغل کی طرف اور بازی نہ کرے تو کوئی مضائقہ نہین ۔ اور جو شخص اپنی نفس سے جانے کہ حضور قلب اور ہاتہونکے رکھنے کو دونو کو ساتھ ہی سنبھال سکتا ہے تو اوسکے لئے سینہ کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے اور اس طریقہ سے ائمہ اربعہ کے اقوال مین جمع حاصل ہوگا " تمام ہوا ترجمہ

یہ ہین توجیہین اور اسکا نام ہے موشگافی کس کس طرح بال کی کہال نکالی جاتی ہے ۔ مگر نہ اسمین کوئی قول رسول ہے نہ قول خدا بلکہ ائمہ اربعہ کی جدت پسندی ہے اور شعرانی کی موشگافی جسکا خلاصہ یہ ہے ۔

کہ اصل مقصود بلکہ نماز کی روح کیا ہے حضور قلب ۔ وہ اسی صورت مین حاصل ہوسکتا ہے کہ جب ہاتھ لٹکے رہین کیونکہ اسوقت مین اوسکا دل ودماغ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوگا ۔ بخلاف اسکے کہ اگر ناف پر رکھے یا سینہ پر تو ہر حال مین حضور قلب مین فرق آئیگا اور پوری طور سے حضور قلب نہوگا ۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ بہتر کیا ہے ہاتھ کا کہولنا جس سے حضور قلب پوری طور سے ہوسکتا ہے کہ ہاتھ باندھنا جس سے بہر طور حضور قلب مین کمی ہوگی

اب یہان تعصب مذہبی کو چھوڑ دیجئے اور پہلے کسی شیعہ کی مسجد مین جاکر اوسکے پیشنماز کو دیکھئے (کیونکہ عوام کا اعتبار نہین) پھر اوسکے بعد آپ پہلے حنفیون کی مسجد مین جائیے ۔ پھر اہلحدیث کی مسجد مین ۔ اور غور کی نگاہ سے دونون کے افعال نماز پر نظر کیجئے تو صاف معلوم ہوگا شیعہ نماز کو ایک

عبادت سمجھکر پڑہ رہا ہے۔ اور سنی اپنی نوکری بجا لا رہا ہے کہ جلد کام کرکے بھاگون۔

ہان شعرانی نے جو حنفی المذہب ہین ائمہ اربعہ کے اختلاف سے مسلمانونکو تین کلاس پر منقسم کیا ہے۔ ایک (لوور کلاس) ادنی (اصاغر) دوسرے انٹرمیڈیٹ (اکابر) تیسرے (فرسٹ کلاس) اونکے بھی بزرگ۔ اصاغر یعنی پست درجہ والونکے لئے تو اسکا فتوی دیا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہین کیونکہ اسمین حضور قلب زیادہ ہے اور یہی فتوی امام مالک کا ہے جسکے مطلب یہ ہوئے کہ امام مالک کا درجہ پست ہے وہ ادنی درجہ کے لوگونکے امام ہین حالانکہ بالاتفاق اہلسنت اونکو سب سے معظم و محترم جانتے ہین۔

دوسرے درجہ کے امام اعظم ہین جو زیر ناف ہاتھ رکہنے کو کہتے ہین کیونکہ اسمین پھر بھی آسانی ہے اور حضور قلب بہ نسبت پہلے کے کم۔

تیسرے یعنی فرسٹ کلاس کے امام شافعی ہین جسمین زیادہ دقت ہے کہ زیر صدر ہاتھ رہے۔ اور حضور قلب بالکل نہو۔

تو اس تقسیم کا ماحصل یہ ہوا کہ جسقدر حضور قلب کم ہوگا اوسی درجہ اوسکی عزت کم ہے کیونکہ جب سینہ پر ہاتہ رکھنے سے حضور قلب کی کمی کا ہونا لازم ہے۔ تو پھر اوسکی عظمت کے قائل ہونے کا یہی نتیجہ ہے کہ جہانتک حضور قلب کم ہو وہ بہتر ہے۔

اسکی وجہ تو آپکو ظاہر ہو گی کہ اسکی ابتدا کس سے ہے شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مین لکھتے ہین ابو بکر عن عروہ قال عمر انی لاحسب

جزیہ البحرین وانا فی الصلوۃ - ابوبکر عن عثمان النہدی قال عمر لاجہز جیوشی وانا فی الصلوۃ ص ۹۳

یعنی ابوبکر عروہ سے ناقل ہین کہ کہا عمر نے بتحقیق مین حساب کرتا ہون جزیہ شہر بحرین کا نماز مین اور ابوعثمان نہدی سے روایت ہے کہ کہا عمر نے مین تو اپنا لشکر طیار کرکے روانہ کردیتا ہون حالانکہ مین نماز پڑہ رہا ہون۔

تو اب معلوم ہوا کہ اصلی اسکی وجہ کہ حضور قلب والی نماز پست درجہ کی ہو اسیوجہ سے ہے کہ خلیفہ دوم کے دستور العمل کے خلاف ہے۔ کیونکہ اونکی نماز تو صرف اسلام کی گذاری کے لئے تہی۔ مگر افسوس کہ شاہ ولی اللہ صاحب کو اس مسئلہ خاص مین کوئی روایت نہ ملی کہ آخر حضرت عمر نماز کیونکر پڑہتے تہے ہاتہ کہول کر یا باندہ کر مگر جب یہ مسلم ہوچکا کہ ہاتہ باندہنے سے حضور قلب مین فرق آتا ہے تو قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ہاتہ کہولکر نماز پڑہتے ہون کیونکہ جزیہ وغیرہ کا حساب لشکر کی روانگی بھی تو توجہ قلب پر منحصر ہے پھر کیونکر ممکن تہا کہ وہ ہاتہ باندہ کر نماز پڑہین - اور آیندہ معلوم ہوگا کہ تمامی اہل مدینہ کا یہی عمل تہا کہ ہاتہ کھول کر نماز پڑہین -

یہان اگر نماز جناب امیرؑ پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے تو معلوم ہو کہ اوسکی کیا حالت تہی کیونکہ تمام عالم کو معلوم ہے حضرت اس حضور قلب سے نماز پڑہتے تہے کہ پائے مبارک سے تیر نکال لیا جاتا تو آپکو اوسکے درد والم کا احساس نہوتا حالانکہ قبل نماز اوسکا نکلنا نہایت موذی اور تکلیف دہ تہا کہ نکل نہ سکتا تہا۔

بہرحال ان تحقیقات سے اسقدر تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضور قلب صرف اوسی صورت مین حاصل ہو سکتا ہے جب ہاتھ کہلے رہین۔ اور ہاتھ باندہنے مین وہ بات کسی طور سے نہین حاصل ہو سکتی۔ تو اب جنلوگونکو نماز بحضور قلب پڑہنا ہو اونکو یہی لازم ہے۔

ہان یہ امر دریافت طلب ہے کہ یہ تقسیم کس قاعدہ سے کی گئی ہے کیا خدا کا کوئی حکم ہے یا رسول کا کہ تم آدمیونکو تین حصہ پر تقسیم کرو ایک اکابر۔ دوسرے اوسط تیسرے اصاغر اور تینون کے لئے نماز کی ہیئت کا حکم جداگانہ ہے۔ اگر یہ تقسیم شارع علیہ السلام سے ثابت ہو جائے تو بہتر و الا آیہ فمن یشاقق الرسول پر خیال کرنا چاہئے۔

قرآن سے استدلال ہاتھ باندہنے پر

اب اسپر اور ترقی کیجئے تو ایک ایسا زعفران زار کشمیر نظر آئے کہ سارے نظارونکو آپ بھول جائیں کیونکہ یہی علامہ شعرانی اپنے شیخ اکبر محی الدین عربی کا ایسا لطیفہ نقل کرتے ہین جس سے سننے والونکے پیٹ مین بل پڑ جائے کیونکہ اونہونے قرآن سے بلکہ خود سورہ الحمد للہ سے اسکو ثابت کر دیا ہے کہ نماز مین ہاتھ باندہنا چاہیے دیکھیے علامہ شعرانی کبریت احمر فی علوم الشیخ الاکبر مین لکھتے ہین ص ۵ بر حاشیہ الیواقیت والجواہر۔

ذكر الشيخ في الباب التاسع و الستين وثلثمائة ما نصّه اعلم ان من آداب الوقوف	یعنی شیخ محی الدین نے فتوحات مکیہ کے باب ۳۶۹ مین لکھا ہے کہ اداب وقوف سے سامنے خداوند عزوجل کے تذلل

بین یدی اللہ تعالی فی
الصّلوۃ الذل والمسکنۃ و
التکنف شغل العبد الذلیل
فی حال مناجاۃ سیدہ وقد
وردت السنۃ بذلك وھو
عندی احسن من اسبال
الیدین قال وایضاح ماقلنٰہ
ان اللہ تعالی قسم الصّلوۃ
بینہ وبین عبدہ نصفین فجزء
منہا یخلص للہ من اولہا
الی قولہ مالك یوم الدّین
فھذا بمنزلۃ الید الیمین اشارۃ
للقوۃ الالھیۃ قال تعالی
لاخذنا منہ بالیمین والجزء
الاخر یخلص للعبد من قولہ
اھدنا الی اخر السورۃ فھذا
بمنزلۃ الیسری الذی ھو
الجانب الاضعف الاصغر
قال ولما کان جزءً منہا بین

وسکنت ہے۔ اور ہاتھ باندھنا شغل
عبد ذلیل ہے وقت مناجاۃ خداوند
عزوجل۔ اور اسکے مطابق سنت
بھی وارد ہے۔ اور یہ میرے نزدیک
ہاتھ کھولنے سے افضل ہے توضیح
اسکی یہ ہے کہ خدانے نماز کو دو حصہ پر
تقسیم کیا ہے ایک حصہ اپنے لئے اور
ایک حصہ بندہ کے لئے۔ پس جو جزو
کہ خالص ہے خدا کے لئے اوسکی ابتدا
بسم اللہ سے ہے مالک یوم الدین تک
یہ بمنزلہ دست راست کے ہے جسمیں اشارہ
ہے طرف قوت الٰہیہ کے کہ خدا فرماتا ہے
واخذناہ بالیمین۔

اور دوسرا جزو جو خاص بندہ کا حصہ ہے
وہ شروع ہوتا ہے اھدنا الصّراط
المستقیم سے آخر سورہ تک پس
یہ بمنزلہ دست چپ ہے جو جانب ضعیف
وصغیر ہے۔

اور چونکہ ایک جزو اس سورہ کا مشترک

الله وبين عبده وهو قوله
اياك نعبد واياك نستعين
جمع العبد بين يدى فى الصلوٰة
مجامع المناجاة فكملت صفة
العبد بجمعه بين يديه ولو
اسبل يديه لم تكمل صفته
فانظر الى هذه الحكمة ما
اجلاها الذى عينين انتهى
ثم لا يخفى انه اذا كان جعل
اليدين على الصدر تشغل
العبد عن مناجاة ربه فارسالهما
اولى فالتحقيق ان جعل اليدين
على الصدر للكملاء الذين
لا يشغلهم ذلك عن الله تع
وان ارسالهما اولى لغير الكمال
اذ مراعاة وضعهما على الصدر
يشغل عن كمال التوجه فليتامل
والله اعلم ص ۵ برحاشيه
اليواقيت والجواهر

ہے درمیان خدا اور بندہ کے کہ وہ
آیہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے
لہذا بندہ کے جمع کرنیسے دونون
ہاتھون کے سامنے خداوند عالم کے
کامل ہوتی ہے صفت عبودیت۔
اور دیکھو یہ کیسی حکمت ہے جو واضح
ہے صاحب معرفت کے لئے۔
خود شعرانی بعد نقل اس عبارت کے
لکھتے ہین کہ جب ہاتھونکا رکھنا سینہ
۔ انسان کو باز رکھتا ہے مناجات
خدا سے۔ تو ہاتھونکا کھولنا اولی ہے
پس تحقیق یہ ہے کہ ہاتھونکا رکھنا سینہ
پر اون کاملون کے لئے ہے جنہین
اسطرح کے ہاتھ رکھنے سے مناجاۃ
خدا مین فرق نہ آتا ہو۔ اور ہاتھونکا
کھولنا اولی ہے۔ غیر صاحب
کے لئے کیونکہ ہاتھون کے رکھنے
کا خیال باز رکھتا ہے مناجاۃ
اور کمال توجہ سے۔

اس کا نام ہے معرفت اور اس کا نام ہے تحقیق کہ کس خوبصورتی سے ہاتھ باندہنے کو قرآن سے نہین بلکہ سورہ الحمد سے ثابت کر دیا کیونکہ سورہ الحمد کا نصف حصہ خدا کے لئے ہے وہ دایان ہاتہہ ہوا۔ اور نصف حصہ بندونکے لئے وہ بایان ہاتھ ہوا۔ اور چونکہ ایک آیہ مین خدا اور بندہ دونو شریک ہین لہذا دونو ہاتھ باندہکر کھڑا ہونا چاہیئے۔

کیا کہنا ہے اس تحقیق کا اور کیا کہنا ہے اس عرفان کا کہ مارین سر پہوٹے گھٹنا اسی کا نام ہے۔

لطیفہ شب قدر

یہان بے اختیار وہ لطیفہ یاد پڑتا ہے کہ خلیفہ دوم کے سامنے لیلۃ القدر کی تحقیقات ہو رہی تھی کہ کون سی شب ماہ مبارک رمضان مین لیلۃ القدر ہے۔ یہ معمی کسی طرح حل نہوتا تھا لہذا خلیفہ دوم نے حضرت ابن عباس سے فرمایش کی غوطہ لگا کر لیلۃ القدر کا پتہ لگاؤ۔ ابن عباس نے چٹکیو نمین حل کر دیا کہ لیلۃ القدر مین نو حرف ہے۔ اور تین مرتبہ اسکا ذکر سورۃ القدر مین آیا ہے لہذا ۹ کو تین مین ضرب دو تو ۲۷ حاصل ہوتے ہین۔ پس یہی شب قدر ہے اور اسی پر تمامی اہلسنت کا عمل ہے کہ ۲۷ کو شب قدر مناتے ہین۔

جس مذہب کا یہ استدلال ہو اور اسطرح مذہب قایم کیا جاتا ہو پھر اوس مذہب کا کیا ٹھکانا اور کیا حساب کہ جدہر کا جوڑ چاہا جدہر لگا دیا اور ایک مسئلہ گڑھ لیا۔

اگر آپکو میرا کلام باور نہ آئے تو تحقیقات اہلسنت ملاحظہ فرمائین کہ

وہ کن لفظون سے اس تحقیقات کو لکھتے ہین اور پھر شرماتے ہین۔

تفسیر کبیر مین ہے صفحہ ۶۳ جلد ۸۔

وثالثها نقل عن ابن عباس انه قال ليلة القدر تسعة احرف وهو مذكور ثلث مرات فيكون السابعة والعشرين

اور فتح الباری مین ہے۔ وقد استنبط بعضهم ذلك من جهة اخرى فقال ليلة القدر تسعة احرف اعيدت في السورة ثلث مرات فذلك سبع وعشرون ص ۲۲۳ جلد ۲

ترجمہ تفسیر کبیر یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ اونہون نے کہا لیلۃ القدر مین نو حرف ہے اور تین مرتبہ سورہ مین آیا ہے لہذا ۲۷ تاریخ شب قدر ہے۔

اور فتح الباری مین ہے کہ بعض لوگون نے دوسری طرح سے استنباط کیا ہے کہ لیلۃ القدر کے نو حرف ہین اور سورہ مین تین مرتبہ اوسکا اعادہ کیا گیا لہذا ۲۷ شب قدر ہے۔

دوسرا لطیفہ یہ ہے کہ اوسی فتح الباری مین ہے وزعم ابن قدامة ان ابن عباس استنبط ذلك من عدد كلمات السورة وقد وافق قوله فيها هي سابع كلمة بعد العشرين وهذا نقله ابن حزم عن بعض المالكية وبالغ في انكاره نقله ابن عطية في تفسيره وقال انه من ملح التفاسير وليس من متين العلم ص ۳۲۲ جلد ۲

یعنی ابن قدامہ نے یہ گمان کیا ہے کہ ابن عباس نے ۲۷ تاریخ کا استنباط کیا ہے عدد کلمات سورہ سے تو لفظ ھی ستائیسواں کلمہ پڑا لہذا معلوم ہوا کہ یہی تاریخ شب قدر ہے - اس کو نقل کیا ہے ابن حزم نے بعض مالکیہ سے اور پھر بہت مبالغہ کیا ہے اسکے رد مین اور نقل کیا ابن عطیہ نے اپنی تفسیر مین اور کہا یہ ملح تفاسیر سے ہے نہ متین علم سے۔

اس تحریر سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہلسنت کا مدار کن اصول پر ہے کہ نہ قول خدا سے کام ہے نہ حدیث رسولؐ سے بلکہ توہمات وخیالات پر اونکی بنا ہوئی ہے۔ مذہب کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہین اور شب قدر کا حال معلوم ہی ہوا کہ کہین ۹ کو تین مین ضرب دیتے ہین کہین کلمات سورہ کو گنتے ہین حالانکہ خود اونکے یہان باتفاق اکثر اہل علم تاریخ ہے کہ یہی ۲۳ رمضان شب قدر ہے مگر شیعونسے مخالفت کرکے ۲۷ بنایا گیا

اسی پر ہاتھ باندھنے کو نماز مین قیاس فرمائیے کہ محض اس سے کہ شیعہ مطابق سنت رسولؐ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ہین اسلئے اونہونے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا شروع کیا۔

جیسا کہ نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کا بآواز بلند کہنا۔ اسلئے ترک کیا گیا کہ شیعیان مصر جو خلیفہ تھے بآواز بلند کہا کرتے ہین جیسا کہ تاریخ کامل مین ہے

واما ترک الجہر بالبسملۃ فی جوامع بغداد لان العلویین اصحاب مصر کانوا یجہرون بہا فترک ذلک مخالفۃ لہم لا اتباعا للمذہب

احمد الامام ص ۱۱۳ جلد ۱۰

یعنی بسم اللہ کا بآواز بلند کہنا نماز مین بغداد کی مسجدون مین اس وجہ سے موقوف کیا گیا کہ خلفائے علویین جو مصر مین تھے بہ آواز بلند کہا کرتے تھے اونکی مخالفت کے خیال سے موقوف کر دیا گیا نہ اسوجہ سے کہ یہ مذہب امام احمد بن حنبل تھا۔

جہر بسم اللہ خلفائے علویین کی خلافت مصر مین ۲۹۶ھ سے قایم ہوئی پہلے اودھر زیادہ توجہ نہ ہوئی۔ مگر بعد کو بہت کوشش کی گئی کہ وہ مٹادی جائے۔ مگر چند روز دن مین اونکی قوت اتنی بڑہ گئی کہ خود بغداد مین اونکے نام کا خطبہ پڑہا گیا۔ مگر آخر مین دونو خلافتین مٹ گئین۔ لہذا اس تحریر سے معلوم ہوا کہ ایک عرصہ تک بسم اللہ کا بآواز بلند کہنا جاری رہا۔

اس ترک بسم اللہ کی ابتدا اگرچہ شیخین سے ہوئی مگر بعد اونکے جناب امیرالمومنین ع کی بدولت یہ سنت رائج ہو چکی تھی کہ معویہ نے پھر سنت شیخین کو عداوت جناب امیرؑ سے رائج کرنا چاہا در اسہات اللبیب مین ہے ومنہا ترك التسمية فى الصلوة جهرا لما قدم المدينة المطهرة انكرت عليه ذلك المهاجرون والانصار وقالوا اسرقت التسمية يا معوية ص ۷

یعنی معویہ کی بدعتوں سے ہے کہ جب مدینہ آیا تو اوسنے نماز مین بسم اللہ کو بآواز بلند کہنا ترک کیا جسپر ہر طرف سے مہاجرین وانصار نے غل مچایا کہ بسم اللہ کو

چرا لیا - اے معویہ جس سے معلوم ہوا کہ خلافت علویین مصر کے قبل بھی بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا جاری تھا معویہ نے جبراً چاہا کہ موقوف کرے مگر نہو سکا

یہ مسئلہ قدیم الایام سے اختلافی ہے اور مذہب حق یہی ہے کہ ہر نماز مین بسم اللہ الرحمن الرحیم کو بہ آواز بلند کہنا چاہیے چنانچہ رسالہ البسملہ مین پوری تحقیق اسکی کر دی گئی ہے - یہان بمناسبت مقام میزان کبری شعرانی کی عبارت کافی ہے لکھتے ہین صفحہ ۱۲۵ جلد اول -

ومن ذلك قول الامام ابي حنيفة ومالك ان البسملة ليست من الفاتحة فلا تجب مع قول الشافعی واحمد انها منها فتجب وكذلك القول في الجهر بها فان مذهب الشافعی الجهر بها ومذهب ابي حنيفة الاسرار بها وكذلك احمد وقال مالك يستحب تركها والافتتاح بالحمد لله رب العالمين وقال ابن ابي ليلى يتخير وقال النخعی الجهر بها بدعة فرجع الامر في المسئلتين الی مرتبتی الميزان ووجه الاول في المسئلة الاولى والثانية الاتباع -

یعنی انہین اختلافات سے مسئلہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے کہ ابو حنیفہ مالک کہتے ہین - وہ جزو سورۃ الحمد نہین ہے لہذا واجب نہین - قول شافعی و احمد یہ ہے کہ جزو سورہ ہے لہذا واجب ہے اب اسمین اختلاف ہے کہ جہر کرنا چاہیے شافعی قائل جہر ہین کہ بلند آواز سے کہو - مذہب ابو حنیفہ یہ ہے کہ اگرچہ واجب نہین ہے مگر کہو تو آہستہ - یہی مذہب احمد ہے - مالک قائل ہین کہ ترک بسم اللہ مستحب ہے الحمد سے شروع کرنا چاہیے - ابن ابی لیلی قائل تخییر ہین - چاہے کہے یا نہ کہے - نخعی قائل

فقد ورد انہ صلی اللہ علیہ
وسلم کان یقرءھا مع الفاتحہ
تارةً ویترکہا تارةً اخری
فاخذ کل مجتہد بما بلغہ من
احدی الحالتین وفی ذلک
تشریع للاکابر والاصاغر من
اہل الکشف والحجاب فمن
رفع حجابہ حین دخل فی
الصلوة وکان مشاہداً
للحق تعالی بقلبہ فلا یناسبہ
ذکر الاسم الذی ہو شعار
اہل الحجاب ومن لم یکشف
حجابہ فالمناسب لہ ذکر
الاسم الشریف لیتذکر بہ
صاحب الاسم لما ورد فی
بعض الہواتف الربانیۃ اذا
لم ترنی فالزم اسمی فاخذنا
من ہذا ان من رآہ بقلبہ
لا یؤمر بذکر اسمہ ومن ہہنا

ہیں کہ جہر کرنا بدعت ہے ثواب
یہ مسئلہ میزان میں دو امر کیطرف
راجع ہے۔ وجہ اول دونو
مسئلہ میں اتباع ہے کیونکہ وارد
ہوا ہے کہ حضرت کبھی پڑہتے تھے
کبھی نہ پڑہتے تھے جس مجتہد کو
جیسی روایت پہونچی اوسپر
عمل کیا (غرض رسول اللہ نے
خود اختلاف ڈالا)

اس اختلاف سے اکابر و اصاغر
کے لئے دو حکم علیحدہ ہوئے جسکا
حجاب مرتفع ہوا مرتبہ کشف میں
پہونچا اور خدا کے مشاہدہ سے
فائز ہوا اوسکو تو مناسب نہیں
کہ خدا کا نام لے کیونکہ حضور میں
حاضر ہے۔ اور جسکو یہ درجہ نہیں
حاصل ہوا اوسی کہنا چاہیے۔ اسکی
طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہی
ع خدا کے یاد کرنیسے گناہ بڑہتی

الغز بعضهم ذلك فی شعره فقال ٥

بذکر اللّٰه تزداد الذنوب
وتنطمس البصائر والقلوب
وذکر اللّٰه افضل کل شیٔ
وشمس الذات لیس لها مغیب

ویؤیّد ذلك قول الشبلی رحمه اللّٰه حین قالوا له متی تستریح فقال اذا لم ار للّٰه تعالی ذاکرا أی لأنّ الذکر لا یکون الا فی حال الحجاب عن شهود المذکور فما تمنی الشبلی الا حضرة الشهود لانها وهی التی لا یری اللّٰه تعالی فیها ذاکرا بلسانه اکتفاء بمشاهدته تعالی ومناجاته بالقلب وحضرة الحق تعالی بهت وخرس لشدة ما یطرق الیها من الهیبة والتجلی

ہین۔ اور آنکھ اور دل اندہے ہو جاتے ہین۔ حالانکہ ذکر خدا ہر شی سے افضل ہی۔ اور شمس ذات کبھی غائب نہین ہوتا۔ اسیکا موید ہی قول شبلی کہ کسینے پوچھا تمکو کب آرام ملتا ہے۔ کہا جب دیکھتے ہین کہ خدا کا کوئی یاد کرنیوالا نہین ہے۔ کیونکہ ذکر ہمیشہ حالت غیبت مین ہوتا ہے لہذا شبلی نے خواہش کی کہ ہمیشہ شہود رہے۔ کیونکہ اوسیوقت خدا کے یاد کرنیوالے کو نہین دیکھتے۔

مینے اپنے بہائی افضل الدین کو سنا کہتے تھے کہ ذکر خدا زبان سے اصاغر و اکابر سبکے لئے مشروع ہے۔ کیونکہ حجاب عظمت کسیکے لئے کبھی نہین اوٹھتا مگر انبیا کے لئے لہذا حجاب کا ہونا ضروری ہے مگر وہ دقیق ہی۔ یہ کلام نہایت نفیس ہے جو کسی کتاب مین نہین ملتا۔ سید علی خواص کہتے

قال تعالی وخشعت الاصوات للرحمن فلا تسمع الا همسا وسمعت اخی افضل الدین رحمه الله یقول الذکر باللسان مشروع للاکابر والاصاغر لان حجاب العظمة لا یرتفع لاحد الا للانبیاء فلا بد من حجاب لکنه یدق فقط انتهی وهو کلام نفیس لا یوجد فی کتاب وسمعت سیدی علیا الخواص رحمه الله یقول ذکر الله تعالی علی نوعین ذکر لسان وذکر حضور کما ان ترک الذکر کذلک علی نوعین ترک من حیث الغفلة وترک من حیث الحضور والدهشة فالاول من الذکرین مفضول والثانی فاضل والاول من الترکین مذموم والثانی محمود وهو

تھے کہ ذکر خدا دو قسم پر ہے ذکر لسان ذکر حضور جیسا کہ ترک ذکر بھی دو قسم پر ہے ایک ترک غفلت دوسرے ترک حضور و دہشت۔ پہلا ذکر مفضول ہے اور دوسرا فاضل۔ اور دونو ترک سے پہلا ترک غفلت مذموم ہے اور دوسرا محمود۔ اسی پر قول شبلی محمول ہے۔

سید علی مرصفی کہتے تھے کہ آنحضرت اسوجہ سے کبھی بسم اللہ کہتے تھے اور کبھی نہیں کہتے تھے کہ امت کیلئے جنمیں ضعیف و قوی سب داخل ہیں ایک شریعت قائم ہو۔ ورنہ حضرت تو ہر وقت مرتبہ شہود میں رہتے تھے سید علی خواص کہتے ہیں خدا نے اسلئے اکابر کو حکم دیا جہر بالقراءۃ کا (بہ آواز بلند پڑھنا) کہ اگر ایسا نہ کرتا تو پھر کسیکو جرات نہوتی کہ کوئی کلمہ کہ سکے کیونکہ ہیبت خداوند عالم

الذی حملنا علیه قول الشبلی انفاً وسمعت سیدی علیا المرصفی رحمة الله تعالی یقول انما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یترك البسملة فی بعض الاوقات ویذکرها فی بعض الاوقات تشریعاً لضعفاء امته واولیائهم والا فهو صلی الله علیه وسلم حاضر مع ربه علی الدوام لانه ابن الحضرة واخو الحضرة وامام الحضرة۔ وسمعت سیدی علیا الخواص رحمة الله تعالی یقول لولا ان الله تعالی امر الاکابر بالجهر بالقراءة والاذکار اذا وقفوا بین یدیه فی الصلاة ما تجرء احد منهم ان ینطق بکلمة لعموم الهیبة لاهل تلك الحضرة ولکن ربما تجلی

اس قسم کے لوگونکو ہر وقت محیط رہتی ہے۔ مگر بعض اوقات اس طرح کی تجلی ہوتی ہے جو طاقت بشری کے مافوق ہے جس سے نہ تکبیر کہ سکتا ہے نہ جہر کر سکتا ہے۔ تو یہ اس قسم سے ہے کہ حضرت فرماتے مجھے اسوجہ سے نسیان ہو جاتا ہے کہ لوگ میری پیروی کریں

تمام ہوا ترجمہ

میری غرض اس مسئلہ کی تحقیقات یہاں نہیں ہے بلکہ یہ دکھانا ہے کہ شریعت رسول اللہ کسطرح تباہ کی گئی ہے۔ اور کسطرح کا اختلاف ڈالا گیا ہے جو قیامت تک مٹنے والا نہیں حالانکہ بقول فخر رازی۔ یہ امر متواتر ثابت ہے کہ رسول اللہ بہ آواز بلند بسم اللہ پڑھا کرتے۔ پھر یہ لوگ کیونکر اسکے مدعی ہو سکتے ہیں کہ ہم سنت رسول کے عامل ہیں۔

له الحق تعالى في بعض الاوقات بما هو فوق طاقته فعجز عن الجهر بالبسملة او بالتكبير فيكون ذلك من باب قوله صلى الله عليه وسلم انما انسى ليستن بي فافهم۔

سب سے زیادہ خرابی ان صوفیون نے ڈالی ہے جو اولیاء کرام کی جانب منسوب ہین اور اسطرح کی خرابی شریعت مین ڈالتے ہین جسکی کوئی انتہا نہین۔ شریعت کو دو حصہ پر منقسم کر رہے ہین ایک اولیا کیلئے دوسرے معمولی آدمیونکے

لے۔ اور درجہ رسول اوسمین معمولی انسان کے برابر قرار دیتے ہین۔

رجوع اصل مسئلہ کی طرف بہرحال اصل مسئلہ کے متعلق اسقدر تو یقینی معلوم ہوا کہ حضور قلب کیلئے یہی مناسب ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھی جائے۔ اور ہاتھ باندھکر نماز پڑھنے مین حضور قلب نہین ہوتا۔ تو ایسا امر کرنا کب جائز ہوگا جس سے اصلی مقصد نماز فوت ہو۔

جملہ اولی دلائل ارسال یدین

اب ہم یہان اون دلائل شرعیہ کو لکھتے ہین جس سے اسکا اثبات کیا جاتا ہے کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا چاہئے اور یہی سنت رسول اللہ ہے۔

اہلسنت کے یہان دلائل شرعی چار ہین۔ کتاب۔ سنت۔ اجماع۔ قیاس مگر اہلحدیث قیاس کے منکر ہین۔ اور اجماع مین بھی کلام ہے۔ مگر با انہمہ اوسکے قائل ہین لہذا انہین تینون دلیل سے ہمکو کام لینا پڑیگا۔

کتاب اللہ کے نسبت اہلسنت کا قطعی فیصلہ ہے کہ نماز کی نہ ہیئت اسمین

مذکور رہے نہ ارکان و فرض و سنن بلکہ النسب کا ماخذ قول یا فعل رسول اللہ ہے۔ مگر یہ سب زبانی جمع خرچ ہے اصل انکے یہاں قول یا فعل صحابی ہے۔ حالانکہ زبانی اس سے بھی انکار ہے کہ کہتے ہین قول و فعل صحابی حجت نہین۔ مگر جس مسئلہ مین دیکھا جائے اصل الاصول انکا یہی ہے کہ قول یا فعل صحابی ہے مگر تاہم آیہ افنجعل المسلمین کالمجرمین بتا رہا ہے کہ مسلمانون کی شان مثل مجرمین کے نہونا چاہیئے۔ اب خود غور کر لیجئے کہ ہاتھ باندہنے مین کیا شان پیدا ہوتی ہے آیا وہ کالمجرمین بنتے ہیں یا نہین۔

دوسرے آیہ فاستقم کما امرت ہدایت کرتا ہے استقامت کی۔ اور استقامت ظاہری حالت صلوۃ مین ارسال یدین سے حاصل ہوتا ہے نہ ہاتھ باندہنے سے لہذا ارسال افضل ہے قبض ید سے کیونکہ خداوند عالم کج ہونے کی مذمت کرتا ہے

والذین یبغونہا عوجاً

ان آیات سے اگرچہ فقہانے ہاتھ کھولنے پر استدلال نہین کیا ہے۔ لہذا مین بھی اس سے استدلال نہین کرتا مگر اہل فہم کو اسطرف اشارہ کرتا ہون کہ وہ غور کرین

احادیث عمدہ ادلہ فریقین کی کل احکام شرعیہ مین حدیث ہے کیونکہ احکام قرآن مجمل ہین اور احادیث مین اوسکی تفصیل ہے جس سے فریقین استدلال کرتے ہین اور احکام فقہیہ کو ثابت

کتب احادیث اہلسنت مین نہ کوئی قول رسول اس بارے مین ہے نہ فعل رسول۔ اور جو حدیث کہ حضرت کی طرف منسوب ہے اوسکی حقیقت دوسرے جلد مین دکھائی جائیگی۔ لہذا یہان صرف احادیث

صحابہ پیش کیے جاتے ہین جو عمدہ اصول دین اہلسنت ہے کیونکہ قول و فعل صحابہ کے مقابل مین اونکے نزدیک نہ قول خدا قابل اعتبار ہے۔ نہ حدیث رسول۔ مصنف ابن ابی شیبہ مین ہے۔

من كان يرسل يديه في الصلوة حدثنا هشيم عن يونس عن الحسن ومصره عن ابراهيم انهما كانا يرسلان ايديهما في الصلوة۔ ثنا عفان ثنا يزيد بن ابراهيم سمعت عمرو بن دينار كان ابن الزبير اذا صلى يرسل يديه ثنا ابن علية عن ابن عون عن ابن سيرين انه سئل عن الرجل يمسك يمينه بشماله قال انما فعل ذلك من اجل الدم ثنا عمر بن هرون عن عبد الله بن يزيد قال ما رأيت ابن المسيب قابضا يمينه في الصلوة كان يرسلهما ثنا يحيى بن سعيد عن عبد الله بن العزار قال كنت اطوف مع سعيد بن جبير فرأى رجلا واضعا احدى يديه

(باب) اون لوگون کا بیان جو ہاتھ اپنے کھولتے تھے نماز مین ہشیم یونس سے وہ حسن سے اور مصرہ سے وہ ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ وہ دونو نماز مین ہاتھونکو کھول دیتے تھے۔ عفان یزید بن ابراہیم سے روایت کرتے ہین کہ سُنا مینے عمرو بن دینار کو کہ ابن الزبیر جب نماز پڑہتے تو اپنے دونو ہاتھ کھول دیا کرتے۔ ابن علیہ ابن عون سے ابن سیرین سے روایت کرتے ہین کہ اونسے سوال کیا گیا اس بارہ مین کہ داہنا ہاتھ پکڑین بائین ہاتھ سے تو کہا یہ نہین کیا تھا مگر بسبب خون کے۔ عمر ابن ہرون عبد اللہ بن یزید سے روایت کرتے ہین کہ کبھی مینے ابن المسیب کو داہنا ہاتھ پکڑتے ہوئے نہ دیکھا نماز

علی الاخری هذه علی هذه او هذه علی هذه فذهب ففرق بینهما ثم جاء۔

مین وه دونو ہاتہ پہلا دیتے تھے یحیی ابن سعید عبداللہ بن عزار سے روایت ہے کہ مین ایکدفعه سعید بن جبیر کے ساتھ طواف کر رہا تھا ایک آدمی کو اونھون نے دیکھا کہ یہ ہاتہ اسپر رکھے ہین (داہنا بائین پر) یا یہ اس ہاتہ پر (بایان داہنے پر) تو وہ گئے اور دونو ہاتہون کو اوسکے جدا کیا پھر واپس آئے۔

ان احادیث مین ایک حدیث عبداللہ بن زبیر کی ہے جو خود صحابی ہین اور حضرت زبیر صحابی کے فرزند اور حضرت عائشہ کے بہانجے حضرت اسما کے فرزند جو سب صحابی ہین حضرت ابوبکر کے نواسہ جو خود مکہ معظمہ مین مدتون خلیفہ اہلسنت رہے۔ اور اہلسنت اونکو نہایت عابد و زاہد مانتے ہین۔ اونکا فعل اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہاتہ کھول کر نماز پڑہا کرتے۔

انکی وفات سنہ ۷۳ھ مین ہوئی کہ حجاج بن یوسف ثقفی نے پھانسی دیا۔ اور مقبرہ یہود[لہ] مین خاص مکہ مین مدفون ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ تک ہاتہ کھولنے کا رواج تھا۔ کیونکہ اہلسنت یہ کہہ نہین سکتے اونکا یہ فعل خودرائی سے تھا کہ اپنے دل سے جسطرح چاہتے نماز پڑہتے

[لہ] اسماء الرجال مشکوة عبدالحق دہلوی من ہر ووقف ابن عمر علیه فقال السلام علیک یا ابا خبیب السلام علیک یا ابا خبیب اما واللہ لقد کنت انہاک عن هذا قالها ثلاثا اما واللہ لقد کنت الذی علمت صواما قواما وصولا للرحم فبلغ الحجاج موقف عبداللہ فارسل الیه وانزله عن جذعه فالقی فی قبور الیهود ص ۱ قلمی

[illegible]

بلکہ لامحالہ یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ کو اور خلفائے ثلٰثہ اور اپنی خالہ جان واماجان کو یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا۔ اسلئے اسیطرح پڑہا کرتے۔

محمد بن سیرین المتوفی ۱۱۰ھ سعید بن جبیر المتوفی ۹۵ھ حسن بصری المتوفی ۱۱۰ھ سے بھی یہی منقول ہے کہ وہ سب کے سب نماز ہاتھ کہول کر پڑہا کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ عام طور سے صحابہ و تابعین کا یہی معمول تھا کہ وہ نماز ہاتھ کہول کر پڑہتے۔

انکے نسبت کون شخص اہلسنت سے یہ گمان کرسکتا ہے کہ یہ فعل اونکا اپنی طبیعت اور راے سے تھا بغیر اسکے کہ سنت رسول یہی تھی اور حضرت اسیطرح نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے یہ لوگ بھی اسی طرح پڑہتے۔ کیونکہ یہ لوگ معمولی اشخاص نہیں ہیں انکے اقوال واحادیث پر بناے مذہب اہلسنت ہے۔ ابن سیرین جنکا نام محمد ہے اونکے نسبت شیخ عبدالحق دہلوی اپنی کتاب اسماء الرجال میں لکھتے ہیں۔

محمد بن سیرین ابو بکر البصری احد الاعلام کان فقیہا عالما فاضلا زاہدا ورعا محدثا من مشاہیر التابعین واجلتہم ثقۃ حجۃ حافظ متقن یعبر الرویا کثیر العلم والورع کثیر الصمت لہ سبعۃ اوراد باللیل لقی صدرا کثیرا من الصحابۃ قال ہشام ادرک من اصحاب النبی ثلثین نفسا واشتہر بفنون علم الشریعۃ وکان من اورع اہل البصرۃ و سمع ابن عمر۔ و انس وعمران بن حصین۔ وابی ہریرۃ و زید بن ثابت ومن سواہم۔ مات سنۃ عشر ومائۃ بعد الحسن

بمایہ لیلہ وهو ابن سبع وسبعین سنة ص۱۳۶ النسخة قلمی

اور سعید بن جبیر کی نسبت رقمطراز ہیں۔

سعید بن جبیر بضم الجیم وفتح الموحدة وسکون التحتانیہ بن هشام الاسدی الوالبی بالواو وکسر اللام مولی بنی والبہ بطن من اسد بن خزیمہ نسبة الی والبہ بن عمر بن الحارثہ کوفی من اعلام التابعین سمع ابا مسعود وابن عباس وابن عمر وابن الزبیر و انسا واکثر روایتہ من ابن عباس وقرء علیہ علم التفسیر والقراءة ومهر فی القراءة مهارةً تامةً حتی انہ یروی انہ اتم فی رمضان وقرء فی کل لیلة بغیر قراءة قرأ بها فی الاخری وروی عنہ الاعمش وعمر بن دینار وابو ایوب وابو بشر وامم۔ قتلہ الحجاج بن یوسف فی شعبان سنة خمس وتسعین ۹۵ ولہ تسع واربعون ص۶۵ قلمی

اور امام حسن بصری کے نسبت لکھتے ہیں۔

الحسن البصری هو الامام ابو سعید الحسن بن ابی الحسن واسم ابی الحسن یسار البصری بفتح التحتانیة وتخفیف السین من سبی میسان بفتح المیم وسکون التحتانیة وبالسین المهملة وکان الحسن مولی زید بن ثابت وقیل مولی جمیل بن قطبہ وقیل غیر ذلک ولد لسنتین بقیتا من خلافة عمر بن الخطاب بالمدینة وقدم البصرة بعد مقتل عثمان ورای عثمان وسمع منہ وقیل انہ لقی علیا بالمدینة فاما بالبصرة قال رویتہ ایاه لم یصح لانہ کان فی وادی القری متوجها نحو البصرة حتی قدم علی بن ابی طالب

ویقال لقی طلحۃ وعائشہ ولم یصح لہ منہما سماع وروی عن غیرہما
من الصحابۃ مثل ابی بکرۃ الثقفی وانس بن مالک وسمرۃ بن جندب
وعمران بن حصین وابی موسی وابن عباس وجندب وروی
عنہ خلق کثیر من التابعین کان کبیر الشان رفیع الذکر راسا
فی العلم وھو امام ثقۃ فی کل فن وعلم وزھد وورع وعبادۃ ومات
فی رجب سنہ عشر ومائۃ کذا فی جامع الاصول والکاشف ص ۲۰ قلمی

خلاصہ حکایہ ہے کہ سعید بن مسیب ایک ہیں اعلام سے فقیہ۔ عالم۔ فاضل۔ زاہد
وورع۔ محدث تھے مشاہیر واجلہ تابعین سے ثقہ ہیں حجت ہیں۔ حافظ ہیں۔
متقن ہیں خواب کی خوب تعبیر دیتے کثیر العلم تھے۔ ورع تھے۔ بہت سے
اصحاب نبی سے انکی ملاقات ہوئی ابن ہشام کہتے ہیں کہ تیس صحابی سے انہوں نے
ملاقات کی۔ اور علوم شریعت میں بہت مشہور ہوئے۔ ابن عمر۔ انس۔ عمران بن
حصین۔ ابوہریرہ۔ زید بن ثابت وغیرہ صحابہ سے حدیث کی روایت کرتے
ہیں۔ تو پھر کون گمان کر سکتا ہے کہ انکا ہاتھ کھولنا نماز میں اپنی خواہش نفس سے
تھا۔ ہر شخص بالیقین کہیگا کہ ان صحابہ کو انہوں نے اسطرح نماز پڑھتے دیکھا لہذا
خود بھی اسیطرح پڑھتے ہیں ۹۱ھ وفات ہے تو اس زمانہ تک عام رواج ہاتھ کھولنے کا
معلوم ہوا۔

سعید بن جبیر بھی اعلام تابعین سے ہیں۔ ابی مسعود۔ ابن عباس۔ ابن عمر۔
ابن الزبیر۔ انس سے روایت کرتے ہیں اور اکثر علوم انکا حضرت ابن عباس
سے ماخوذ ہے۔ ماہ رمضان میں یہ ایکدفعہ امام مقرر ہوئے تو ہر رات قرآن کو نماز

مین نبی کی قرات سنے پڑہتے تہے ان سے اعمش۔ عمرو بن دینار۔ ایوب۔ ابوالبشر وغیرہ روایت کرتے ہین حجاج نے ۹۵ھ مین قتل کیا۔ انکو اسدرجہ مبالغہ تہا کہ اگر کسیکو ہاتہہ باندہتے دیکہتے تو جا کر اوسکا ہاتھ کہولدیتے۔

حسن بصری انکے اوصاف کی ضرورت نہین خلافت خلیفہ دوم مین پیدا ہوے عثمان کی خدمت مین پرورش پائی اور حدیث بہی اونسے لی اور بہت سے صحابہ سے ملاقات کی اور علم صحابہ کو اونسے حاصل کیا۔ اپنے وقت کے ہر فن مین امام تہے علم و عبادت و تقوی سنہ ۱۱۰ھ وفات ہے۔

تو اب کون شخص اہلسنت سے کہسکتا ہے کہ یہ لوگ جو نماز ہاتہہ کہولکر پڑہتے تہے تو بدعت کرتے تہے حالانکہ سنت ہے جس سے خواہی نخواہی ماننا پڑیگا کہ ہاتہہ باندہ کر نماز پڑہنا بدعت ہے کہ سعید بن جبیر اگر کسیکو ہاتہہ باندہکر نماز پڑہتے دیکہتے تو دوڑ کر اوسکا ہاتہہ کہولدیتے فماذا بعد الحق الا الضلال

اجماع یہ تیسری دلیل ہے اہلسنت کی جس سے کسی مسئلہ شرعی کی صحت ثابت کیجاتی ہے۔ اسی اجماع مین عمل اہل مدینہ بہی داخل ہے جس سے امام مالک رحمہ نے اپنا یہ مذہب قرار دیا کہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہنا چاہئیے۔

چنانچہ علامہ محمد معین لاہوری جو تلامذہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ہین اور علماے اہلحدیث کے مشہور افراد سے ہین اپنی کتاب دراسات اللبیب مین لکہتے ہین مطبوعہ لاہور ۱۸۶۸ء ص ۳۴

وثانیہما ان عمل اہل المدینۃ المقدسہ   دوسرے یہ کہ عمل اہل مدینہ منورہ

على ساكنها افضل الصلوة والتسليمات من اقوى حجج الدين عندنا ونرى الامر فيما طريقه النقل من ذلك على ما يرى الامام الاكبر عالم المدينة مالك بن انس الاصبحي من ان اجماع اهل المدينة المطهرة حجة حتى انه عولت علماء مذهبه في ارسال اليدين حالة القيام في الصلوة على عمل اهلها مع وجود المرفوع الصحيح في قبض اليمنى على اليسرى وحملوه على الحاجة عند طول القيام وخصوه بها بدليل عمل اهلها كما تخص الحديث الصحيح بحديث اخرى مثله ولا يجوز ذلك في تخصيص وارد كتاب خلاف الظاهر ويرى بعض من علمائه القبض وان روى مطرف وابن الماجشون عن مالك انه يستحسن لكن روى ابن

نزدیک قوی ترین حجتون سے دین کے ہے۔ اور اس مسئلہ مین میری رائے مطابق ہے امام اکبر عالم مدینہ مالک بن انس اصبحی کے کہ وہ قائل تھے اس بات کے کہ اجماع اہل مدینہ مطہرہ حجت ہے یہانتک کہ علماے مالکی نے اسی دلیل پر اعتماد کیا ہے دربارہ ہاتھ کھولکر نماز پڑہنے کے۔ کہ چونکہ اہل مدینہ کا یہی عمل تہا لہذا اونہوں نے اسی کو اپنا مذہب بنایا حالانکہ حدیث صحیح مرفوع اس مادہ مین موجود ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتھ پر رکھنا چاہیے (اس حدیث کا حال دوسرے جلد مین ملاحظہ فرمائیگا) اور اونہوں نے یعنی مالکیون نے اس حدیث کو محمول کیا ہے ضرورت اور حاجت پر کہ اگر بوجہ طول قیام ہاتھ بھر جاے تو ہاتھ باندہ لے۔ اور اس تخصیص کی دلیل اونکے پاس یہی عمل اہل مدینہ ہے

القاسم عن مالک الارسال
وصار الیه اکثر اصحابه وروی
عنه اباحة القبض فی النافلة
بطول القیام وکره فی الفریضة
قال ابن الحاجب ان ذلک
حیث تمسک معتمد القصد
الراحة نقله الزرقانی فی
شرح الموطا قال ابن عبد البر
ان القبض لم یات عن النبی
صلی الله تعالی علیه وسلم
فیه خلاف وهو الذی
ذکره مالک فی الموطا ولم
یحک ابن المنذر وغیره
انتهی
وانت قد علمت ما ذکره
غیر ابن المنذر عنه وقوله
وهو الذی ذکره مالک
فی الموطا اراد منه ان ذکره
فی الموطاء یدل علی کونه
مذهبا له فهو استدلال
ضعیف فان العلم محیط
بصنیعه فی الموطا من انه
ربما یروی فیه ما یخالف
مذهبه کما فعل فی قنوت

جسطرح ایک حدیث دوسری حدیث
سے خاص کر دی جاتی ہے ۔ اور
نہین جائز ہے یہ تخصیص اور ارتکاب
خلاف ظاہر کسی کے نزدیک علماء
سے اپنی راے سے (لہذا معلوم ہوا
کہ یہ تاویل مالک براے نہین ہے)
ہان مطرف اور ابن ماجشون نے
امام مالک سے اسکی روایت بھی کی ہے
کہ وہ ہاتھہ باندہنے کو مستحسن سمجھتے
تھے ۔ مگر ابن قاسم نے امام مالک سے
ارسال ہی کی روایت کی ہے (کہ
وہ ہاتھہ کہولکر نماز پڑہتے تھے) اور
یہی مذہب ہے اونکے اکثر اصحاب کا
اور ہاتھہ باندہنے کے بارہ مین صرف
اسقدر منقول ہے کہ امام مالک اسکو
جائز جانتے تھے نماز نافلہ مین بسبب
طول قیام کے اور فرض نمازون
مین مکروہ جانتے تھے ۔
کہا ابن حاجب نے کہ یہ ہاتھہ باندہنا اوس وقت

الصبح حيث اقتصر فيه على اثر ابن عمر رض في عدم جوازه مع ان القنوت في الصبح هو الثابت عنده وان اراد انه ما ذكره من اثر ابن عمر حجة عليهم فجوابه ان اثر ابن عمر لا يعارض عمل اهل المدينة بل قد اشرنا ان حديث سهل في رفع القبض المروي في صحيح البخاري ايرد حجة عليه لعمومه وعلى اصحابه حيث تمسكوا بعمل اهل المدينة والارسال هذا لم ينفرد مالك فقد جاء فيه الآثار عن سلف التابعين روى جملة من ذلك الامام ابو بكر بن ابي شيبة في مصنفه وفيه اثر عن عبد الله بن زبير رض رواه في المصنف بسنده فقال حدثنا عفان قال حدثنا يزيد بن ابراهيم قال سمعت عمرو بن دينار قال كان ابن الزبير اذا صلى

نوافل میں جائز ہوگا کہ جب بغرض راحت ہو (یعنی وہ بھی بلا ضرورت نہیں جائز ہے) جیسا کہ نقل کیا ہے زرقانی نے شرح موطا میں ۔

کہا ابن عبد البر نے کہ ہاتھ باندھنے کے بارہ میں کوئی حدیث خلاف اسکے حضرت سے نہیں منقول ہے اور اسکو ذکر کیا ہے مالک نے موطا میں اور ابن منذر وغیرہ نے اسکے خلاف نہیں نقل کیا ہے مالک سے

مصنف کہتے ہیں مگر تو جانتا ہے کہ غیر ابن المنذر نے کیا روایت کی ہے (ارسال) اور یہ جو لکھا کہ مالک نے اسکو ذکر کیا ہے موطا میں اگر اس سے یہ مراد ہے کہ یہی انکا مذہب ہے تو یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ امام مالک موطا میں بعض روایتیں ایسی لاتے ہیں جو انکے مذہب خلاف ہوتی ہیں جیسا کہ قنوت صبح

مین اونہون نے ابن عمر کی روایت یرسل یدیہ
لکھی کہ نہین جائز ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ مالک مذہب قنوت
سے نماز صبح مین جو ثابت ہے اور لنسے ۔

اور اگر ابن عبد البر کا یہ مقصود ہے کہ اثر ابن عمر حجت ہے مالک پر
تو اوسکا جواب یہ ہے کہ روایت ابن عمر معارض عمل اہل مدینہ نہین
ہو سکتی ۔ بلکہ ہمنے تو اوسکی طرف بھی اشارہ کیا کہ حدیث سہیل
جو صحیح بخاری مین مروی ہے دربارہ ہاتھ باندہنے کے وہ بھی
اونپر حجت نہین ہے بوجہ عموم اپنے ۔ اور نہ اونکے اصحاب پر حجت ہے
کیونکہ تمسک اونکا بعمل اہل مدینہ ہے جو درایت ہے ۔ اور یہ
روایت)

اور یہ مذہب ارسال یدین ایسا مذہب ہے کہ صرف مالک ہی
اسکے ساتھ نہین منفرد ہوئے ہین بلکہ بہت سی روایتین اسمین سلف صحابہ و
تابعین سے آئی ہین جنہین امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنف
مین ذکر کیا ہے ۔ (مین ان سبکو پہلے لکھ چکا ہون) اور ایک ان مین عبد اللہ
بن زبیر سے روایت ہے جسے مصنف نے اپنی سند سے روایت کیا ہے
عفان سے کہ کہا حدیث کی مجھسے یزید بن ابراہیم نے کہ کہا سنا مینے
عمرو بن دینار کو کہ تھے ابن الزبیر جب نماز پڑہتے تھے تو ہاتھون کو
کھولے رہتے ۔
(تمام ہوا ترجمہ)

اس عبارت سے بخوبی طور پر ظاہر ہوا کہ امام مالک کا یہی

مذہب تھا کہ وہ نماز مین ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے ۔ اور اونکی دلیل یہ ہے کہ عمل اہل مدینہ یونہی تھا کہ وہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہا کرتے ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ حدیث مرفوع اسکے خلاف موجود ہی جسمین اسکا حکم ہے کہ داہنا ہاتھ بائین ہاتہہ پر رکہنا چاہیے ۔ مگر اسپر بھی امام مالک کا مذہب یہی تھا کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہنا چاہیے کیونکہ وہ کہتے تھے اس حدیث کے یہ مطلب ہین کہ بوقت ضرورت ہاتہہ باندہنا چاہیے ۔ اسلئے کہ عمل اہل مدینہ یہی ہے کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑ تو تب یہ حدیث خاص ہوئی بوقت ضرورت ۔

علمائے اہلسنت نے اگرچہ اسمین اختلاف کیا ہے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے یا نہین ۔ مگر اس سے کسیکو انکار نہین کہ اہل مدینہ کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتہہ کہولکر نماز پڑہا کرتے ۔ جس سے ہر شخص سمجھہ سکتا ہے کہ یہ عمل اونکا مطابق عمل رسول اللہ تھا کہ حضرت کو سبنے یونہی نماز پڑہتے دیکھا تھا لہذا وہ بھی اسیطرح پڑہا کرتے ۔

تو اب اسکے خلاف عمل کرنا دیدہ و دانستہ اپنی نماز کو مخالف عمل رسول اللہ بنانا ہے کیونکہ اسکو تو کوئی نہین کہہ سکتا کہ اہل مدینہ کا عمل خلاف عمل رسول تھا ۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تمامی صحابہ و تابعین کا عمل یہی تھا کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہا کرتے کیونکہ امام مالک اسکو عمل اہل مدینہ کہتے ہین ۔ اور عمل اوس وقت کہا جا سکتا ہے کہ سبکا یہی عمل ہو بلا اختلاف

کیونکہ درصورت اختلاف عمل اہل مدینہ نہیں کہہ سکتے بلکہ عمل بعض
اہل مدینہ

تو اب بدیہی طور سے معلوم ہوا کہ عمل اہل مدینہ زمانہ امام مالک تک
بلا اختلاف یہی تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ۔

اسی استدلال امام مالک سے اوس حدیث کی بھی حالت ظاہر
ہوئی جو ہاتھ باندھنے کے بارہمیں روایت کی جاتی ہے کہ وہ کیسی روایت
ہوگی ۔ کیونکہ اس روایت کی موجودگی پر بھی صحابہ اور سائر اہل مدینہ
کا یہی عمل تھا کہ وہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے ۔ تو اب دو ہی احتمال ہو سکتا
ہے ایک یہ کہ معاذ اللہ تمامی صحابہ اور اہل مدینہ عمل رسول کے خلاف
کرتے تھے ۔ کہ حضرت ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیتے اور یہ اوسکے
خلاف عمل کرتے یہ احتمال ایسا بعید ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کوئی سنی
اسکا دعوی کرسکے ۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ روایت قبض یدین
یعنی ہاتھ باندھنے والی روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے جیسا کہ
آئندہ مذکور ہوگا انشاء اللہ ۔ کیونکہ یہ عمل احکام نماز سے ہے نہ امور
دنیوی سے جو یہ کہا جائے کہ اسمیں متابعت حکم رسول ضروری نہیں
یا یہ کہا جائے کہ عمداً دیدہ و دانستہ خود غرضی سے حکم رسول کی مخالفت
کی گئی ۔ بلکہ یہ تو احکام ہیئت صلوۃ سے ہے جسمیں ہر شخص محکوم ہے
کہ حضرت کا اتباع کرے اور کوئی اسکا مجاز نہیں کہ حضرت کی مخالفت

اگرچہ بعد اس دلیل کے کہ عمل اہل مدینہ ثابت ہوا یہی تھا کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے کسی دوسری دلیل کی حاجت نہیں رہتی ۔ کیونکہ اہل مدینہ میں سب داخل ہیں خواہ صحابی ہوں ۔ یا تابعی ۔ مگر مصنف نے خاص ابن الزبیر کا طرز عمل یہی دکھلایا کہ اونکا بھی یہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے ۔ اور تابعین کا کیا ذکر کہ وہ سب تو تابع صحابہ ہیں ۔

میرے خیال ناقص میں عبد اللہ بن زبیر کے ذکر کی ضرورت بالتخصیص یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ یہ مسئلہ کبھی معرض اختلاف میں نہیں آیا تھا بلکہ سبکا یہی معمول تھا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھا کرتے لہذا کسیکو اس طرف کبھی التفات بھی نہوا کہ نماز کیونکر پڑھی جاتی ہے کیونکہ یہ تو ایک معمولی بات تھی ۔ جب اس اختلاف کی بنیاد پڑی تو عمرو بن دینار نے اپنی اس تازہ یاد کو بیان کیا کہ ابن الزبیر ہاتھ کھولکر نماز پڑھتے تھے ورنہ سارے اہل مدینہ کا یہی قاعدہ تھا کہ وہ اسیطرح نماز پڑھا کرتے ۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ابن الزبیر خلیفہ بھی تھے اور خاص مکہ میں اونکی خلافت ہوئی تھی ۔ اور حضرت ابوبکر کے نواسہ تھے ۔ اور حضرت عائشہ کے تربیت یافتہ اسلئے انکا عمل زیادہ قابل وثوق اور اعتماد تھا ۔ اور پھر وہ نہایت عابد بھی مشہور تھے لہذا عمرو بن دینار نے اونکے فعل سے استناد کیا کہ اونکا

عمل اس مورد مین کسی طرح قابل شک یا اعتراض نہین ہوسکتا۔ پس اونکے اس طرز عمل نے بتا دیا کہ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنا صرف اونکے علم کے مطابق تھا بلکہ یہی عمل وہ اپنے آبا و اجداد و امہات کا دیکھ چکے تھے جس سے پھر کوئی گمان بھی نہین کرسکتا کہ اونکی نماز اوس طریقہ کے خلاف ہوگی جو حضرت ابوبکر و حضرت عائشہ و اسماء و زبیر کے خلاف ہو۔ اور چونکہ مینے اسکے قبل وہ روایتین بھی لکھدی ہین جو حسن بصری۔ اور سعید بن المسیب۔ سعید بن جبیر وغیرہ تابعین سے مروی ہین لہذا بخوبی ظاہر ہوا کہ عمل اہل مدینہ وغیرہ بھی تھا۔

علامہ محمد معین مصنف دراسات اللبیب مین اسکے بعد لکھتے ہین۔

والعجب كل العجب من مثل شيخ الدهلوي حيث نفى في شرح السفر الدليل للارسال مطلقا رفعاً واثراً ويقول سالت في الحجاز عن ذلك بعض علماء المالكيه فلم يأتوا بشيء سوى امر خطابي ذكروه مما لا يلتفت اليه اهل العلم اصلاً وجعلوا عمل المدينة المعظمة في ذلك عند علماء مذهبه اقوى من آثار التابعين والصحابة فيه

یعنی پورا تعجب ہے شیخ عبد الحق دہلوی سے جو شرح سفر السعادۃ مین لکھتے ہین کہ ہاتھ کہولکر نماز پڑھنے کی کوئی دلیل نہین ہے مطلقاً نہ حدیث مرفوع سے نہ اثر صحابہ سے اور لکھتے ہین کہ مینے حجاز مین بعض علماء مالکیہ سے سوال بھی کیا تو کوئی دلیل ایسی نہ لائے جو قابل التفات اہل علم ہو سوائے امر

خطابی کے حالانکہ عمل اہل مدینہ معظمہ اس بارہ مین مالکیونکے نزدیک قوی تر ہے آثار تابعین وصحابہ سے۔ (تمام ہوا ترجمہ)

ہمارا مطلب اس عبارت سے بھی بکمال وضاحت ثابت ہے کیونکہ اگرچہ بقول شیخ عبدالحق دہلوی کوئی دلیل قوی علماے مالکی نہ لاسکے مگر یہ تو معلوم ہوا کہ مذہب اونکا یہی تھا کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھا کرتے جس سے کسینے انکار نہین کیا بلکہ اوسپر دلیل لاے جو شیخ عبدالحق کے نزدیک قابل اعتماد نہو۔

یعنی مقصود ہمارا بخوبی ثابت ہوا کہ امام مالک کا یہی مذہب تھا اور اوسکی دلیل اونکے نزدیک یہی عمل اہل مدینہ ہے جو آثار صحابہ وتابعین سے بھی زیادہ قوی ہے۔

نفی احادیث صحیحہ بوجہ عمل اہل مدینہ

عمل اہل مدینہ ایسی قوی دلیل ہے کہ ملا معین لکھتے ہین وظهر من هذا ان مالكا واصحابه يؤولون الاحاديث الصحيحة عن ظواهرها ويتركون به اثار الصحابة كما يتركون بالمرفوع واما ترك الحديث الصحيح بعملهم فيدل عليه مذهب مالك في عدم اجزاء صوم الولي من الميت مع ورود الحديث الصحيح قال القسطلاني في شرح البخاري واجاب المالكية عن احاديث الباب بدعوى عمل اهل المدينة انتهى يعني عملهم بعدم الاجزاء ج ۲ ص ۲۴۳

یعنی جو حکایت ابن مسعود کی بیان کی ہے کہ اونہون نے اپنے

اجتہاد سے ایک فتوی دیا تھا جب مدینہ آئے اور وہان لوگون سے دریافت کیا تو اپنی رائے سابق سے عدول کیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ امام مالک اور اونکے اصحاب تاویل کرتے ہین احادیث صحیحہ مین جو خلاف عمل اہل مدینہ ہو۔ اور اس عمل اہل مدینہ کی بدولت وہ ترک کرتے ہین اقوال صحابہ کو جیسا کہ ترک کرتے ہین حدیث مرفوع سے

رہا یہ امر کہ وہ ترک کرتے ہین حدیث صحیح کو عمل صحابہ سے۔ پس اوسکی دلیل یہ ہے کہ مذہب مالک یہ ہے کہ ولی کا صوم من جانب میت مجزی نہین ہے حالانکہ حدیث صحیح اس بارہ مین وارد ہے کہا قسطلانی نے شرح صحیح بخاری مین کہ مالکیون نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے یعنی وہ اسکو مجزی نہین مانتے

پس بالفرض اگر کوئی حدیث صحیح بھی ہاتھ باندھنے مین ہو۔ تو وہ حدیث اسوجہ سے مردود ہے کہ عمل اہل مدینہ اسکے خلاف ہے۔ حالانکہ ہم آیندہ چلکر بتائینگے انشاء اللہ کہ حدیث صحیح اس بارہ مین کوئی نہین۔

مذہب شافعی بھی یہی ہے علامہ مذکور لکھتے ہین والامام المطلبی الشافعی الدرۃ الفرید من بحر شرف هاشم برد اللہ سبحانہ به صدور المحبين بثلج العلوم من اهل هذا البيت المقدس رض فقد روى الشعراني في كتابه تلخيص السنن للبيهقي المسمى بالمنهج المبين في جمع ادله المجتهدين عنه بسنده عن الهروى عن يونس بن عبد الاعلى قال سمعت الشافعي

يقول كل حديث جاء من اهل العراق وليس له اصل في الحجاز فلا نقبله (لعدم صحته عندنا) وان كان صحيحا انتهى (في نفس الامر لان الحجة بعد الثبوت) ومنه يخرج ان عمل اهل المدينة المقدسه يترك به الحديث الصحيح عند غيرهم مطلقا او عند اهل الكوفة بخصوصهم فان عملهم على شئ ورد بخلاف الحديث عند غيرهم لا يتصور الا بانتفاء اصل ذلك عندهم والا لما وسعهم الخلاف ومن لم يقبل هذا الحديث المعارض لعملهم وجب عليه التمسك به وترك ما خالفه ووجه ذلك ان عملهم دليل قوى على وجود الحديث الصحيح في ذلك عندهم وحديثهم يترجح على حديث غيرهم عند هذين الامامين (مالك والشافعي) وفي هذا جواز الاعتماد على العلم الاجمالي بوجود الدليل الراجح مع وجدان الدليل المعارض به بعينه وذلك مخصوص في عمل اهل المدينة المشرفة عندهما ص ۳۴۳

یعنی امام شافعی کا عمل اس قاعدہ پر اس سے ظاہر ہے کہ شعرانی نے تلخیص سنن بیہقی مین روایت کیا ہے شافعی سے کہ وہ کہتے تھے جو حدیث اہل کوفہ کے ذریعے وارد ہو۔ اور اوسکی کوئی اصل اہل حجاز مین نہو۔ تو ہم اوس حدیث کو نہین قبول کرتے (کیونکہ وہ صحیح نہین) اگرچہ فی نفس الامر صحیح ہو (کیونکہ حجت بعد ثبوت ہے)۔

پس اس قول شافعی سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی حدیث صحیح ہو غیر

غیر اہل مدینہ کے نزدیک مطلقًا یا اہل کوفہ کے نزدیک خصوصًا۔ تو وہ حدیث بوجہ مخالفت اہل مدینہ رد کر دی جائیگی۔ کیونکہ یہ تو ہو نہین سکتا عمل اہل مدینہ مخالف ہو کسی صحیح حدیث کے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ حدیث ہی صحیح نہین والا وہ اسکی مخالفت کیونکر کرتے۔

اور جب یہ حدیث جو معارض عمل اہل مدینہ ہے قابل قبول نہین۔ تو عمل اہل مدینہ کے ساتھ ترک ضروری ہوا اور اوسکے خلاف کا ترک کرنا۔ کیونکہ اونکا عمل اس بارہ مین دلیل قوی ہے اسپر کہ کوئی حدیث صحیح اونکے نزدیک ہے۔ اور اہل مدینہ کی حدیثین قابل ترجیح ہین مالک و شافعی کے نزدیک دوسرونکی حدیث پر۔

پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ علم اجمالی بوجود دلیل راجح کافی ہے اگرچہ خلاف اوسکے دلیل پائی بھی جاوے۔ اور یہ مخصوص ہے عمل اہل مدینہ کے ساتھ مالک و شافعی کے نزدیک،،

اس عبارت نے بتا دیا کہ عمل اہل مدینہ بجائے خود ایسی قوی اور مستحکم دلیل ہے کہ اسکے مقابلہ مین نہ حدیث صحیح کا اعتبار رہتا ہی نہ آثار صحابہ و تابعین کا۔ امام مالک اور امام شافعی کا یہی مذہب ہے۔

بلکہ اسکی بھی تصریح کر دی کہ اگرچہ اہل مدینہ کے پاس کوئی حدیث ظاہری نہ بھی ہو تو اونکا عمل کافی ہے۔ رد احادیث صحیحہ کے لئے کیونکہ اگر اونکے پاس کوئی دلیل نہوتی تو اسطرح عمل نہ کرتے لہذا معلوم ہوا

کہ جس حدیث پر اہل مدینہ کا عمل نہین ہے وہ حدیث ہی صحیح نہین اگرچہ فی نفس الامر صحیح بھی کیون نہو۔

تو اب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ایک ایسی قوی دلیل سے ثابت ہوا کہ اگر اسکے مقابلہ مین کوئی حدیث صحیح صریح بھی ہوتی تو وہ قابل قبول نہ تھی چہ جائیکہ فی الواقع کوئی حدیث صحیح بھی نہین۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آخر امام شافعی بھی جواز ارسال ید کے قائل ہوے کیونکہ سابقاً ہم لکھ چکے ہین شافعی بھی ہاتھ کھولنے کو جائز بتاتے ہین۔

راے ملا معین

ملا معین مصنف دراسات اللبیب چونکہ فرقہ اہلحدیث مین لہذا وہ اپنی رای یون ظاہر کرتے ہین وعندی هذا الحکم بتقدیم عمل اهل المدینة المعظمة علی الحدیث الصحیح فی حدیث غیر الصحیحین بعد تدوینهما فان ما اخرجه الشیخان قد تلقتهما الامة بالقبول و من جملتها بل ساداتها علماء المدینة الطیبة ص ۲۴۳

یعنی میری راے مین یہ حکم تقدیم عمل اہل مدینہ معظمہ۔ حدیث صحیح پر۔ اوس حدیث کے متعلق ہے جو بعد تصنیف صحیحین خارج از صحیحین ہے۔ کیونکہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمین علما مدینہ بھی داخل ہین۔

جسکے مطلب یہ ہوے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے کہ عمل اہل مدینہ کے مقابلہ مین حدیث صحیح بھی قابل قبول نہین۔ مگر اس حکم سے صحیحین مستثنی ہین یعنی انکی حدیثین نہین مردود ہونگی۔ بلکہ غیر صحیحین کی حدیثین اگر عمل اہل مدینہ کے خلاف ہون تو وہ مردود ہین۔ اور یہ حکم بھی صحیحین کے لئے اسوجہ سے

نہین ہے کہ حدیثین اوسکی صحیح ہین - بلکہ اس وجہ سے کہ صحیحین کو امت نے قبول کرلیا ہے جسمین علماے مدینہ بھی داخل ہین - تو اس وجہ سے صحیحین کی حدیثین عمل اہل مدینہ سے نہ مردود ہونگی - اور باقی صحیح حدیثین سب مردود ہین "

ہمکو اس راے کی مخالفت یا موافقت سے چندان بحث نہین - کیونکہ یہ انکی ذاتی رائے ہے جو مقابل مذہب امام مالک و امام شافعی کوئی وقعت نہین رکھتی - اور نہ یہی ثابت ہے کہ علماے امت نے صحیحین کو قبول کرلیا کیونکہ جمہور علماے امت اسکے مخالف رہے ہین ائمہ اربعہ کے مقلدین نے بہت سی حدیثون کو نہین مانا اور بحر العلوم مولوی عبد العلی صاحب لکھنوی اپنے علماے ناقل ہین کہ درمیان صحیحین اور غیر صحیحین کے کوئی فرق نہین جیسا کہ تنقید بخاری وغیرہ مین تصریح لکھ چکا ہون -

اور چونکہ صحیح بخاری کی تدوین سنہ ۲۵۲ھ مین ہوئی اور صحیح مسلم کی اسکی بھی بعد لہذا اوس سنہ تک بلکہ بعد بھی اوس زمانہ تک کہ اتفاق امت کے لئے درکار ہے - عمل اہل مدینہ کی یہ وقعت تھی کہ حدیث صحیح بھی اوسکے سامنے کوئی چیز نہ تھی - اور اوسکے بعد بھی جو کچھ انکی عظمت ظاہر ہوئی تو اس وجہ سے کہ اہل مدینہ نے صحیحین کو قبول کرلیا تھا - ورنہ اگر وہ نہ قبول کرتے تو پھر بھی حدیث صحیح کا اوسکے مقابلہ مین کوئی اعتبار نہوتا - یہی وجہ ہے کہ آجتک مذہب مالکی یہی ہے کہ وہ ہاتھ

نماز پڑھتے ہیں۔

اصل اجماع ان سب تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا بہ اجماع اہل مدینہ ثابت ہے جسمیں تمامی صحابہ و تابعین و تبع تابعین داخل ہیں۔ تو اب ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا مخالف اجماع ٹھہرا جو یقیناً باطل ہے مطابق قواعد اہلسنت۔

عظمت اجماع کیونکہ اجماع ایک ایسی حجت شرعی ہے کہ اسکے مقابلہ میں کوئی حجت حجت نہیں چنانچہ آپکو معلوم ہے کہ خود کتاب اللہ جس سے بڑھکر کوئی حجت نہیں ہو سکتی محتاج اجماع ہے کہ جن آیات اور سور و پر اجماع ہوا وہ تو داخل قرآن کیا گیا۔ اور جسپر اجماع نہوا وہ نہ داخل قرآن ہوا نہ قرآن مانا گیا۔ تو اب دوسری کونسی حجت شرعی ایسی ہو سکتی ہے جو اجماع کے ہمسر ہو سکے۔ کیونکہ شرح مسلم الثبوت میں ہے۔ الاجماع حجۃ قطعاً و یفید العلم الجازم عند الجمیع من اهل القبلۃ ص ۲۱۳ جلد ۲ مطبوعہ مصر

جس سے معلوم ہوا اجماع حجت قطعی ہے کہ مفید علم یقین ہے تمامی اہل قبلہ کے نزدیک بہ استثناء خوارج و شیعہ یہانتک کہ اجماع سے احکام قرآن اور حدیث دونو باطل کر دئے جاتے ہیں۔

حجیت اجماع اہل البیت علیہم السلام ملا محمد معین نے ایک خاص تقریر اس بارہ میں لکھی ہے جس سے اجماع اہلبیت اطہار کی عظمت ثابت ہوتی ہے لہذا اوسکا ذکر بھی ضروری ہے۔

لکھتے ہیں۔

ومما اعتقده حجية اجماع
اهل بيت النبوة رضى الله تعالى
عنهم وعملهم وهو عندى وعند
كل منصف اقوى من عمل اهل
المدينة وذلك لان حجيته
ليس الا من حيث ان ما توارثه
اهل بلد صاغرا عن كابر مستمرا
من غير طريان تغير عليه يستند
عادة الى رئيس ذلك البلد
اذا كان معلوما باهتمام مراسم
خاصة فى رياسته وترويجها
على مرؤسيه من اهله وذلك
فى توارث اهل بيته كذلك
واستناده الى رئيس البيت
وصاحبهم الذى يعلو لهم
ويسوسهم مع شدة اعتناءهم
بالاتيان بها يامرهم واتباعهم
فى كل ما يفعله اقوى فى العادة
واثبت فى الحفظ فانهم اضبط
الاقوام لحاله واعلم باقواله و
اعماله بل لا يصل الى اهل
البلد من رئيسه كثير شىء من

میں اسکا بھی معتقد ہوں کہ اجماع
اہلبیت علیہم السلام اور اونکا عمل
حجت ہے اور وہ میرے نزدیک بلکہ
ہر صاحب انصاف کے نزدیک قوی
تر ہے عمل اہل مدینہ سے کیونکہ عمل اہل
مدینہ اسیوجہ سے حجت ہے کہ جو فعل
اُن میں بحیثیت توارث جاری ہے
کہ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے اوسکو سیکھتا
چلا آیا اور بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل
کے اوسپر عمل کرتا آیا۔ تو یہ امور
عادۃً منسوب ہونگے رئیس بلد کی
طرف کہ یہ عادات و اطوار اوسی رئیس
سے لئے گئے ہیں خصوصاً جب اوس
رئیس کے اہتمام سے بھی معلوم ہو کہ۔
اپنے مراسم خاصہ کی ترویج میں اوسکو
کوشش ہو کہ اپنی ریاست میں
اوسے جاری کرے اور رعایا سے
اوسکی پابندی چاہے تو بالیقین اون

ذلك الاصدار من اهل بيته لاسيما ويدخل في اهل بيته نساؤه ايضا مع الذكور من اولاده واقربائه وخدمهم ومواليهم فيحيطون باحوال داخل البيت وخارجه وما نعني من اهل بيت النبوة في هذه المسئلة الا ما يشتمل لنسائه صلى الله تعالى عليه وسلم و ذكور بني هاشم والمطلب فاذا اجمعوا على شيء وتوارث ذلك منهم فهو عندي حجة تسمعت شانها وصفها على ما ذكرنا هنا بمجرد ما يعطي وحدة البيت معه صلى الله تعالى عليه وسلم وملازمة اهله حضرته من الاطلاع على احواله واقواله واعماله صلى الله تعالى عليه وسلم والزائد على ما يعطي من ذلك وحدة البلد معه صلى الله تعالى عليه وسلم وملازمة اهله اياه صلى الله تعالى عليه وسلم فكيف اذا انضم

رعایا کے افعال و اعمال سے معلوم ہوگا کہ سبب اونکے رئیس کی ہدایت اور تعلیم سے ہے۔

اسی طرح **اہلبیت** کا توارث اور اونکے افعال کی نسبت رئیس خاندان کی طرف بدیہی ہے خاص کر جب معلوم ہو کہ وہ افسر خاندان ہمہ وقت کوشش کرتا ہے اسمین کہ اوسکے خاندان کے لوگ اون آداب و قواعد کو سیکھین اور نہایت اہتمام کرتا ہو اسمین کہ وہ لوگ بجا لائین اوسکے کل اوامر و نواہی کو۔ اور ہر بات مین اوسکی پیروی کرین۔

تو ایسے امور جو اوس خاندان مین جاری ہون وہ من حیث الدلالۃ نہایت قوی اور محفوظ ہین کیونکہ یہ لوگ اپنے بزرگ خاندان کے حالات سے زیادہ واقف اور اقوال و افعال مین زیادہ مطیع ہونگے اور

الی ذلك حدیث الثقلین فیمن ورد منهم علی نادر من بیانه مما یکاد یثبت فی کل واحد من علمائهم العصمة فان لم یثبت فیه فثبت اهل بیت کلهم عند اجماعهم علی امر فان لم یثبت العصمة رأسا فغلبة ظن الاصابة فی کل واحد فان لم یثبت فیه ظن تام عند اجماعهم علی ما لا یوجد ذلك فی اجماع من لم یرد فیهم نص مثل من الشارع صلی الله تعالی علیه وسلم وانا لم نعرف بذلك کله فلا اقل من ان نؤمن بان عملهم مما یرجح احد المتعارضین من الاحادیث علی الآخر کعمل اهل المدینة المنورة ولهذا استمسکوا مثل الحاکم ای فی ترجیح علیهم ابی عبد الله و سلیمان الاعمش ومحب الدین الطبری الرجال الابطال من رؤساء علماء السنة شیعة وقالوا صحیح مسلم ملآن من الشیعة ولما قال مالك بحجیة عمل اهل المدینة المطهرة لزمه القول بحجیة عملهم لا سیما فیما اجمع علیه الائمة

اونکے زیادہ ضابط ہونگے بنسبت دیگر حضرات اہل شہر کے بلکہ حق تو یہ ہے کہ اہل شہر کو بہت سے حالات اور افعال وعادات معلوم ہی نہونگے مگر اونکے خاندان کے ذریعہ سے۔ کیونکہ اونکو دیکھ کر اہل شہر سمجھینگے کہ یہ امور ہمارے رئیس کے افعال وعادات سے ہیں اور خاندان میں داخل ہیں اونکی عورتیں بھی اور ذکور اونکے اولاد و اقرباے اور خدم وموالی اونکے کہ یہ سب محیط ہیں احوال داخل خانہ سے اور خارج خانہ سے یہاں ہم اہل بیت نبوۃ سے معنی عام مراد لیتے ہیں جو شامل ہو نساء نبی کو اور ذکور بنی ہاشم و بنی المطلب کو کہ جب وہ کسی امر پہ اجماع کریں اس حیثیت سے کہ وہ بحیثیت توارث اونمیں جاری ہو۔ تو

اثنی عشر رضی اللہ تعالی عنہم لما ذکرنا والحق حق وان لم یاخذ بہ احد ۔

وہ میرے نزدیک حجت ہے اور بہات تو ہی حجت جسکی صفت اور شان تو سُن چکا ۔

یہ جو کچھ مینے بیان کیا صرف وحدت بیت (ایک گھر مین رہنا ۱۲) کا اثر ہے کہ صرف اہل خاندان سے ہونے اور ہر وقت کے ساتھ رہنے اور ملازمت سے یہ ضرور ہے کہ اونکو حضرت کے اقوال واعمال پر زیادہ اطلاع ہو بہ نسبت اونکے جو صرف ایک شہر مین حضرت کے ساتھ ہین اور پیچھے حضرت اہل وعیال وخاندان والون سے ملتے رہتے ہین (کیونکہ اگرچہ وہ بھی حضرت کے حالات سے بہ نسبت دوسرے شہر والونکے زیادہ مطلع ہوتے ہین ۔ مگر خاندان والون کی اطلاع اس سے کہین بڑہی ہوئی ۔)

چہ جائیکہ اس کے ساتھ حدیث ثقلین ملالی جائے جو اون حضرات اہلبیت طاہرین کے بارےمین وارد ہے جس سے ہر واحد کی اون علماءِ اہلبیت طاہرین سے عصمت ثابت ہے ۔ اور اگر سبکی عصمت فرداً فرداً نہ بھی ثابت ہو ۔ تو اجماع کی حالت مین تو سبکی عصمت ضرور ہی ثابت ہے جس سے اونکا اجماعی مسئلہ ضرور مسلم ہوگا ۔

اور اگر ہم فرض کرلین کہ عصمت کسیکی ثابت ہی نہین ہوسکتی ۔ تو یہ تو ضرور ثابت ہوگا کہ انمین سے ہر ایک شخص کے افعال واعمال مین ظن غالب اصابت ہے کہ اونکے افعال واعمال مقرون حق اور صواب ہونگے ۔ اور اگر

ہم مان لین کہ فرداً فرداً اصابت نہین ثابت ہوتی۔ تو سبکے اجماع مین توضرور ہی اصابت ہوگی کہ اہلبیت کا اجماع بہ نسبت اور لوگونکے زیادہ قوی ہوگا۔

کیونکہ انکے اجماع کے بارہین شارع ؑ کا نص موجود ہے جس سے اوسکی عصمت ثابت ہے۔ اور اگر تم اسکا بھی اقرار نہ کروگے تو کم سے کم تمکو اسپر ایمان لانا پڑیگا کہ اہلبیت طاہرین کا عمل ترجیح دیگا ایک حدیث کو دو حدیث متعارض سے جسطرح کہ اہل مدینہ کا عمل ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے۔ اور یہی (الترجیح بعملھم) باعث ہے کہ امام حاکم ابی عبداللہ سلیمان اعمش۔ اور محب الدین طبری کو جو رجال ابطال اور روساء علمائے اہل سنیہ سے ہین۔ ان لوگون نے شیعہ نام رکھا اور کہا کہ صحیح مسلم مملو ہے شیعونسے۔

(یعنی چونکہ حاکم و اعمش و محب الدین طبری نے عمل اہلبیت طاہرین سے استدلال کیا اسلئے وہ سب شیعہ کہدئے گئے اور یہین سے اسکی وجہ بھی ظاہر ہوئی کہ صحیح مسلم کی کیون اسقدر وقعت نہین اسوجہ سے کہ اوسکے راوی ایسے لوگ ہین بخلاف صحیح بخاری کے جسکے رواۃ تمامتر خوارج ہین)

اور جب امام مالک قائل ہوئے اسکے کہ عمل اہل مدینہ حجت ہے تو ضرور رہوا اونکو کہ وہ قائل ہون اسکے کہ عمل اہلبیت طاہرین بھی حجت ہے۔ بالخصوص وہ عمل جسپر آئمہ اثنا عشر مجتمع ہون جیسا کہ

ہمنے ذکر کیا اور حق حق ہے اگرچہ کوئی اسکو نہ قبول کرے ۔ تمام ہوا ترجمہ

اس عبارت سے جہان حجیت اجماع اہلبیت طاہرین علیہم السلام
معلوم ہوئی وہان یہ بھی معلوم ہوا کہ اہلسنت نے قصداً اقوال آئمہ
علیہم السلام کو ترک کیا ہے جیسے خود ملا محمد معین دراسات اللبیب مین
ان لفظون سے فریاد کرتے ہین فالفجیعة کل الفجیعة علی الامة ان خلت
کتب المذاہب الاربعة عن مذہب اہل البیت رض عنہم اجمعین
ثم اذا وجد فیہا شئ من ذلک یعارض بمثل ہذا ولقد سبقت
منا رسالة مفردة فی اسعاد الموضعین تکلمنا فیہا علی الثانی
واستوفینا الکلام فی الجواب عن الامام الحق رض فلنکتف بہ ولنتکلم
علی الاول فاعلموا ان آئمة الطاہرین رضی اللہ عنہم یحرمون الرای
والقیاس ولہذا لما دخل ابوحنیفة علی جعفر بن محمد رض علی ما
حکاہ الشعرانی فی اللواقح قال لہ بلغنی انک تقیس لا تقس فان
اول من قاس ابلیس ص ۲۴۷

یعنی افسوس صد افسوس اس امت پر کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کی کتابین
خالی ہین مذہب اہلبیت رضی اللہ عنہم سے پھر اگر کوئی بات اونکے مذہب
کی پائی بھی جاتی ہے ان کتابون مین تو ایسی باتونسے اوسکا معارضہ
کیا جاتا ہے حالانکہ مین ایک رسالہ خاص اس باب مین لکھ چکا ہون کہ
جسمین پورا جواب دیا ہے امام حق جناب امام حسنؑ کی طرفسے اوسی پر
اکتفا کرتا ہون اور کہتا ہون کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام حرام جانتے

قیاس اور رائے کو یہی وجہ ہے کہ جب ابو حنیفہ خدمت جناب امام جعفر صادق مین حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا مینے سنا ہے تو قیاس کرتا ہے۔ قیاس نہ کر کہ پہلا قیاس کرنیوالا شیطان ہے ۔

بہر حال ہمارا مقصود یہان نہ قدح ابو حنیفہ ہے نہ اسکی شکایت کہ حضرات اہلسنت نے ائمہ طاہرین کی متابعت کیون ترک کی کیونکہ قیامت یقینی ہے ۔ اوس روز خداوند قہار خود انسے سوال کریگا ۔ اور یہ جواب دینگے ہمارا فرض تو صرف یہ ہے کہ لکم دینکم ولی دین عمل کرین ۔

ہان انسانی ہمدردی ۔ اسلامی اخوت مجبور کرتی ہے کہ راہ حق کو واضح کرین اور حجت کو تمام کرین کہ دیکھو خدا نے تمکو کیا حکم دیا ہے اوسکے رسول نے کیا بتایا ہے اوسکے جانشین اور خلفا نے کیا سکھایا ہے کہ کسطرح نماز پڑھو ہاتھ کھول کر یا باندھ کر کیونکہ ابھی تم دیکھ آئے اور پڑھ آئے کہ اون حضرات کا عام قاعدہ یہی تہا کہ نماز ہاتھ کھولکر پڑھیں اور تمامی صحابہ و تابعین و تمامی اہل مدینہ کا جو ہر وقت حضرت کی خدمت مین رہتے اور آپکو نماز پڑھتے دیکھتے ۔ اونکا یہی عمل تہا ۔

چونکہ ملا محمد معین نے آئمہ اطہار علیہم السلام کی طرف ضمناً اسکی نسبت کی ہے کہ وہ حضرات نماز ہاتھ کھولکر پڑھا کرتے اسلئے ایک حدیث فروع کافی کی بھی یہان لکھتا ہون جس سے معلوم ہو کہ واقعاً اون حضرات کا یہی معمول تہا ۔

فروع کافی کے باب افتتاح الصلوۃ والحد فی التکبیر و ما یقال عند ذلک

میں ہے۔ علی بن ابراھیم
عن حماد بن عیسی قال قال
لی ابو عبد اللہ علیہ السلام یوما
یا حماد تحسن ان تصلی قال
فقلت یا سیدی انا احفظ
کتاب حریز فی الصلوۃ فقال
لا علیک یا حماد قم فصل قال
فقمت بین یدیہ متوجہا الی
القبلۃ فاستفتحت الصلوۃ
فرکعت وسجدت فقال یا حماد
لا تحسن ان تصلی ما اقبح الرجل
منکم ان یاتی علیہ ستون
سنۃ او سبعون سنۃ فلا یقیم
صلوۃ واحدۃ بحدودھا
تامۃ قال حماد فاصابنی
فی نفسی الذل فقلت جعلت
فداک فعلمنی الصلوۃ فقام
ابو عبد اللہ علیہ السلام مستقبل
القبلۃ منتصبا فارسل یدیہ
جمیعا علی فخذیہ قد ضم
اصابعہ وقرب بین قدمیہ
حتی کان بینھما قدر ثلاث
اصابع منفرجات واستقبل
باصابع رجلیہ جمیعا القبلۃ
لم یحرفھما عن القبلۃ وقال
بخشوع اللہ اکبر ثم قرء الحمد
بترتیل وقل ھو اللہ احد

یعنی علی بن ابراہیم حماد بن عیسی سے
روایت کرتے ہیں کہ ایکروز جناب
امام جعفر صادق ؑ نے مجھے فرمایا ای
حماد کیا تو جانتا ہے کہ نماز پڑھے
مینے کہا اے سید میرے مینے یاد کیا ہے
کتاب الصلوۃ حریز کو۔ حضرت نے
فرمایا کوئی حرج نہیں۔ تم کھڑے ہو کر
نماز پڑھو۔ حماد کہتے ہیں کہ میں کھڑا
ہوا سامنے آپکے اور قبلہ کی طرف
رخ کرکے افتتاح صلوۃ کیا اور رکوع
و سجود بجا لایا۔ حضرت نے فرمایا ای
حماد تمنے اچھی طرح نماز کو نہیں ادا
کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ
تم لوگوں کی عمر ساٹھ ستر برس کی ہو
جائے اور ایک نماز بھی درست
طور سے نہ پڑھو اور اوسکے حدود
کو پورے طور سے نہ بجا لاؤ۔ حماد
کہتے ہیں مجھے اس کلمے سے نہایت ذلت
معلوم ہوئی اور مینے عرض کیا کہ

ثم صبر هنية بقدر ما يتنفس
وهو قائم ثم رفع يديه حيال وجهه
وقال الله اكبر وهو قائم ثم ركع
وملأ كفيه من ركبتيه مفرجات
ورد ركبتيه الى خلفه حتى استوى
ظهره حتى لو صُبّ عليه من ماء
او دهن لم تزل لاستواء ظهره
ومدّ عنقه وغمض عينيه ثم سبح
ثلاثا بترتيل فقال سبحان ربي
العظيم وبحمده ثم استوى قائما
فلما استمكن من القيام قال
سمع الله لمن حمده ثم كبر وهو
قائم ورفع يديه حيال
وجهه ثم سجد وبسط كفيه
مضمومتي الاصابع بين يدي
ركبتيه حيال وجهه فقال سبحان
ربي الاعلى وبحمده ثلاث مرات
ولم يضع شيئا من جسده على شيء
منه وسجد على ثمانية اعظم

آپ پر فدا ہون مجھے نماز کی تعلیم
فرمائیے۔ پس کھڑے ہوئے امام
جعفر صادق ؑ اور قبلہ کی طرف
رخ کیا سیدھے ہو کر۔ اور دونون
ہاتھون کو اپنے سیدھے لٹکا دیا
اپنے زانو پر اور انگلیان اونکی
ملا لیں۔ اور نزدیک کیا اپنے
دونو قدم کو۔ کہ اونمیں تین یا چار
انگل کا فاصلہ رہا۔ اور پیر کی
انگلیون کو بھی جانب قبلہ کیا
کہ کج نہ رہے قبلہ سے۔ پھر بخشوع
کہا اللہ اکبر۔ پھر سورۂ الحمد کی تلاوت
کی بہ ترتیل بعدہ قل ہو اللہ احد
پڑھا اور اتنی دیر تک کھڑے رہے
کہ سانس لے لیں۔ پھر دونو ہاتھ
بلند کیا برابر چہرۂ اقدس کے اور کہا
اللہ اکبر۔ ابھی تک آپ کھڑے تھے
پھر رکوع کیا اور بھر لیا دونون
ہتھیلیون کو گھٹنون سے۔ کہ انگلیان

الكفين والركبتين وانامل
ابهامى الرجلين والجبهة و
والانف وقال سبعة منها
فرض يسجد عليها وهى التى
ذكرها الله تعالى فى كتابه
تعالى وان المساجد لله فلا
تدعوا مع الله احدا وهى الجبهة
والكفان والركبتان والابهامان
ووضع الانف على الارض
سنة ثم رفع راسه من السجود
فلما استوى جالسا قال الله
اكبر ثم قعد على فخذه الايسر
وقد وضع ظاهر قدمه الايمن
على بطن قدمه الايسر وقال
استغفر الله ربى واتوب اليه
ثم كبر وهو جالس وسجد
السجدة الثانية وقال كما قال
فى الاولى ولم يضع شيئا من بدنه
على شئ منه فى ركوع ولا سجود

کھلی ہوئی تھیں - اور دبایا گھٹنے
کو پیچھے کی طرف - یہانتک کہ برابر
ہوئی آپکی پشت کہ اگر اوسپر ایک
قطرہ پانی کا ڈالا جائے یا تیل تو
وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے بوجہ
اسکے کہ پشت برابر تھی اور ٹہرا دیا
گردن کو - اور بند کر لیا آنکھونکو
اور تین مرتبہ بترتیل کہا سبحان
ربی العظیم وبحمدہ - پھر سیدھے
کھڑے ہوئے - جب اچھی طرح کھڑے
ہوئے تو فرمایا سمع اللہ لمن حمدہ
پھر تکبیر کہا کھڑے کھڑے - اور دونو
ہاتھوں کو چہرہ تک بلند کیا - پھر
سجدہ کیا - اور پھیلا دیا ہتھیلیوں کو
کہ انگلیاں اوسکی ملی ہوئی تھیں -
سامنے دونو گھٹنوں کے مقابل
چہرہ کے اور کہا سبحان ربی
الاعلی وبحمدہ تین مرتبہ اور نہ
رکھا آپنے ایک بدن کو دوسرے

وکان مجنحا ولم یضع ذراعیہ
علی الارض فصلی رکعتین علی
ہذا ویداہ مضمومتا الاصابع
وہو جالس فی التشہد فلما
فرغ من التشہد سلم فقال
یا حماد ہکذا صلِّ

بدن پر۔ اور سجدہ کیا آٹھ عضو پر
دونوں ہتھیلیاں۔ دونوں گھٹنے اور
دونوں زانو اور دونوں انگشت
پیروں کی۔ اور پیشانی اور ناک
اور فرمایا کہ سات عضو پر سجدہ
کرنا فرض ہے جسکا خدا نے ذکر
کیا ہے آیہ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا میں کہ وہ
پیشانی۔ دونوں کف دست دونوں گھٹنا۔ دونوں انگشت ہیں پیروں
کی۔ اور ناک کا رکھنا خاک پر سنت ہے پھر بلند کیا سر اپنا سجدہ
سے جب سیدھے بیٹھے تو کہا اللہ اکبر۔ پھر بیٹھے بائیں زانو پر کہ ظاہر
قدم امین رکھا بطن قدم الیسر پر اور کہا استغفر اللہ ربی واتوب
الیہ۔ پھر تکبیر کہا بیٹھکر۔ اور سجدہ کیا دوسرا سجدہ۔ اور کہا جسطرح
پہلے سجدہ میں کہا تھا۔ اور نہ رکھا ایک عضو کو دوسری
عضو پر رکوع و سجود میں اور رہے پھیلائے ہوئے ہاتھ اور نہ رکھا ساق دست کو
زمین پر۔ اسی طرح دو رکعت نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ آپکے مضمومتہ
الاصابع تھے۔ اسیطرح تشہد پڑھا اور بعد تشہد سلام کیا۔ پھر
کہا اے حماد اسطرح نماز پڑھا کر۔ تمام ہوا ترجمہ

منے اس غرض سے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ شاید کوئی
مسلمان اس روایت کو دیکھکر اپنی نماز درست کرے دوسرے یہ

چونکہ ملا محمد معین صاحب نے ان حضرات کے ہاتھ کہولنے کا ضمناً اشارہ کیا تھا اسلئے اوسکی تصریح دکہانا تھا مطابق روایت شیعہ

اب مین اس بحث کو ختم کرتا ہون کیونکہ بفضلہ تعالی خود کتب معتبر اہلسنت سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ جو طریقہ شیعون کا نماز پڑہنے مین ہے یہی سنت رسول اللہ تھا - اور تمامی اہل مدینہ جسمین اولاد و ازواج رسول و موالی و صحابہ و تابعین و تبع تابعین سب داخل ہین سبکا یہی معمول تھا کہ وہ ہاتھ کہولکر نماز پڑہتے - اور اہلسنت کے امام مالک کا یہی مذہب ہے - اور امام شافعی کا بھی اسی کے مطابق فتوی ہے - تو اب اہلسنت غور کرین - اونکی نماز جو ہاتھ باندہ کر ہوتی ہے کیسی ہے کیونکہ نہ کوئی حدیث صحیح اونکے پاس ہے رسول اللہ سے نہ عمل صحابہ ہے نہ عمل تابعین - تو اب ہم اس نماز کی نسبت کیا کہین کہ آخر یہ نماز اونکی کیسی ہے - والحمد للہ اولاً و اخراً والصلوٰۃ علی نبیہ و اہلبیتہ باطناً و ظاہراً

دوسرا جملہ ابطال دلائل مخالفین

اہلسنت کی سب سے عمدہ دلیل اس مادہ مین روایت صحیح بخاری ہے جو حسب ذیل ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ حدثنا عبداللہ بن مسلمہ عن مالک عن ابی حازم عن سہیل بن سعد قال کان ناس یومرون ان یضع الید الیمنی علی ذراعہ

اليسرى في الصلوة وقال ابو حازم لا اعلمه الا ينمي ذلك الى النبي قال اسمعيل يُنمى ذلك ولم يقل ينمي ص

یہ باب اسکا ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھہ پر نماز مین رکھین حدیث بیان کی ہے ہمسے عبداللہ بن مسلمہ نے مالک سے اونہون نے ابی حازم سے اونہون نے سہیل بن سعد سے کہ تھے لوگ حکم کیے جاتے۔ اس بات کا کہ مرد رکھے دہنا ہاتھ کلائی پر بائین ہاتھ کی نماز مین۔ کہا ابو حازم نے مین نہین جانتا مگر یہ کہ وہ نسبت کرتے تھے اسکو رسول اللہ کی طرف کہا اسمعیل نے کہ ینمی ذلک بصیغہ مجہول ہے۔ اور نہین کہا ینمی بصیغہ معروف

خلاصہ یہ کہ سہیل بن سعد روایت کرتے ہین لوگونکو اسکا حکم ہوتا تھا کہ داہنا ہاتھ بائین پر رکھین۔

یہی روایت ہے جسپر اسکی بنا ہے کہ ہاتھہ باندہ کر نماز پڑہی جائے بلکہ خود روایت بتا رہی ہے کہ کس وضع کی یہ حدیث ہے جسپر خود علمائے اہلسنت نے چند اعتراض کئے ہین۔

(۱) علامہ عینی لکھتے ہین وفیہ التحدیث بصیغۃ الجمع فی موضع والعنعنہ فی ثلاثۃ مواضع وہو من افراد البخاری ص ۱۲ جلد ۳ یعنی اسمین پہلے تو حدثنا بصیغہ جمع ہے پھر تین موضع پر عنعنہ ہے۔ اور افراد بخاری سے ہے کہ صرف بخاری اسکے راوی ہین اور چونکہ عام طور سے اہلسنت کے یہان جب روایت مین عن فلان عن فلان

ہو وہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح میں اتصال ضروری ہے اور معنعنہ بلا اتصال بھی ہوتا ہے لہذا یہ روایت عام طور سے حکم صحت سے خارج ہے اور بغیر صحت حدیث استدلال درست نہین

دوسرے حدیث مبہم ہے نہ معلوم اسکا تعلق حالت قیام سے ہے یا قعود سے۔ اسلیئے ابن حجر کو شرح مین یہ جملہ بڑہانا پڑا ای فی حال القیام مگر نفس حدیث مین کوئی لفظ ایسا نہین ہے جس سے حال قیام سمجھا جائے

تیسرے اسمین بھی ابہام ہے کہ کسکا حکم تھا۔ کون حکم دیتا۔ اسی لئے ابن حجر کو یہ لکھنا پڑا ھذا حکمہ الرفع لانہ محمول علی ان الآمر لہم بذلک ھو النبی ﷺ کما سیاتی یعنی یہ حدیث حکماً مرفوع ہے (یعنی نسبت ہے آنحضرت کی طرف) کیونکہ محمول ہے اسپر کہ حکم دینے والے انکے رسول اللہ تھے جیسا کہ آتا ہی۔

مگر اسمین یہ خرابی ہے کہ اگر حضرت کا امر ثابت ہو تو اوس سے وجوب اسکا ثابت ہوگا اسلیئے کہ امر وجوب کے لئے ہے اور کوئی قائل بوجوب نہین لہذا نسبت امر حضرت کی طرف غلط ہے۔

پس اگر فرض کیا جائے تو اس سے لازم آتی ہے مخالفت امام مالک و شافعی جو قائل بہ ارسال تھے یعنی ہاتھ کہول کر نماز پڑھنا انکا مذہب تھا بلکہ امام مالک تو ہاتھ باندہنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ امام مالک کا مذہب بمخالفت امر رسول قائم ہوا۔

تیسرے اگر اس لفظ یومرون سے یہ بات پیدا ہوتی تو ابو حازم کو اسکی

تصریح کی کیا ضرورت تھی لا اعلمہ الا ینمی ذلک الی النبی یعنی میں جہانتک جانتا ہون وہ اس روایت کو نسبت کرتے تھے حضرت کیطرف کیونکہ اگر اصل روایت سے یہ بات پیدا ہوتی تو اس اضافہ کی ضرورت نہ تھی یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر نے اس اعتراض کو نقل کیا ہے اور جواب دیا ہے قیل لو کان مرفوعا لما احتاج ابو حازم الی قولہ لا اعلمہ الخ و الجواب انہ اراد الانتقال الی التصریح فالاول لا یقال لہ مرفوع وانما یقال لہ حکم الرفع۔ یعنی کہا گیا ہے کہ اگر یہ حدیث مرفوع ہوتی (یعنی منسوب آنحضرت کی طرف) تو ابو حازم کو اسکی ضرورت نہ ہوتی کہ وہ لا اعلمہ الخ کہتے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اونہون نے ارادہ کیا اسکا کہ انتقال کرین طرف تصریح کے (یعنی تصریح کر دین کہ یہ حضرت سے روایت ہے) کیونکہ اول کو مرفوع نہیں کہتے بلکہ حکم رفع کہتے ہین۔

یعنی غرض یہ ہے کہ روایت مبہم تھی اسلئے اسکی تصریح کر دی کہ یہ روایت حضرت ہی سے ماخوذ ہے۔ حضرت ہی حکم دیتے تھے مگر اسمین یہ خرابی ہے کہ راوی کی تصریح سے کیا ہوتا ہے جب تک خود اصل راوی اول نہ بیان کرے کہ ہمنے رسول اللہ سے سنا یا حضرت نے ہمسے بیان کیا۔ اوس وقت تک حدیث کی مرفوعیت نہین معلوم ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ خود ابن حجر لکھتے ہین وما عرض الدانی فی اطراف الموطا قال ہذا معلول لانہ ظن من ابی حازم و رد بان ابا حازم لو لم یقل لا اعلمہ الی آخرہ لکان فی حکم المرفوع لان قول الصحابی کنا نؤمر بکذا ینصرف

نظاهر الی من له الامر وهو النبی ﷺ دون الصحابی فی مقام تعریف الشرع فیحمل علی من صدر عنه الشرع ومثله قول عائشة کنا نومر بقضاء الصوم فانه محمول علی ان الامر بذلک هو النبی ﷺ واطلق البیهقی انه لاخلاف فی ذلک بین اهل النقل ص ۲۰ ھ

کہ دانی نے اطراف موطا میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قول اسوجہ سے معلول ہے کہ یہ گمان ابوحازم ہے (اور گمان راوی کوئی چیز نہیں) اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ابوحازم یہ نہ کہتے کہ ہم جہاں تک جانتے ہیں اس قول کی نسبت حضرت کی طرف ہے۔ تو بھی یہ حدیث حکم رفع میں ہوتی کیونکہ جب صحابی یہ کہتا ہے کہ ہمکو ایسا حکم دیا جاتا تھا۔ تو یہ اسی پر محمول کیا جاتا ہے کہ حکم دینے والے آنحضرت ہیں۔ کیونکہ صحابی مقام تعریف شرع میں ہے۔ لہذا اسی پر حمل کیا جائیگا کہ یہ حکم شارع ہے۔ اور اسی کے مثل ہے قول عائشہ کہ ہملوگ حکم دیے جاتے تھے بقضاء صوم کیونکہ اس سے مراد یہی ہے کہ آنحضرت حکم دیتے تھے۔ اور بیہقی نے تو اسکا دعوی کیا ہے علی الاطلاق کہ اہل النقل کو اسمیں اختلاف ہی نہیں۔

اقول افسوس ہے تو اسیکا کہ یہ حضرات دعوی کرتے ہیں علم حدیث کا اور مطلقاً اس سے بہرہ نہیں رکھتے کیونکہ قول عائشہ کنا نومر میں یا اور اقوال صحابہ میں جو اسطرح وارد ہیں۔ پھر راوی اسطرح کی تصریح نہیں کرتا جو اسکا قرینہ ہے کہ وہاں مطلب واضح ہے اور صاف کہ یہ حکم رسول تھا۔ بخلاف اسکے یہاں چونکہ اصل حکم رسول نہیں ہے اسلئے اوس

حدیث کے اعتبار بڑہانے کو کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حکم دوسرے کسی کا تھا۔ اسلئے ابو حازم نے لا اعلمہ کا اضافہ کیا جس سے خود بخود اسکی وضعیت ظاہر ہوگئی۔ کیونکہ اگر یہ حدیث وضعی نہ ہوتی تو ابو حازم کو اسکے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔ پس یہ قول ابو حازم خود اسکا کاشف ہے کہ حدیث رسول نہیں ہے ورنہ اصل حدیث بجائے خود کافی تھی اسکے لئے کہ یہ حکم رسول ہے۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ جو حدیث وضعی یا جعلی ہوتی ہے من جانب اللہ اوسمین کوئی لفظ کوئی قرینہ ایسا ضرور پیدا ہوجاتا ہے جس سے اوسکی وضعیت کھل جائے کیونکہ واضع خود جانتا ہے کہ یہ حدیث ہم وضع کر رہے ہین۔ اسلئے وضع کے اخفا کے لئے وہ چاہتا ہے کسی طرح اسکو ایسا معتمد بنائین کہ گمان وضع نہو جس سے خواہی نخواہی کوئی لفظ ایسا بڑہانا پڑتا ہے کہ وہ پردہ دار ہو۔ اور وہی پردہ داری اوسکا پردہ فاش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مین جو صحیح روایتین ہوتی ہین اونمین ایسی باتین نہین ہوتین اگر اسپر بھی تسکین نہو تو خود حافظ ابن حجر کا کلام جو اسکے بعد ہے ملاحظہ فرمائین کہ لکھتے ہین وقد روی فی سنن ابی داؤد والنسائی وصحیح ابن السکن شئ یستانس بہ علی تعیین الامر والمامور فروی عن ابن مسعود قال رانی النبیؐ واضعا یدی الیسری علی الیمنی فنزعها ووضع الیمنی علی الیسری اسنادہ حسن

یعنی سنن ابو داؤد۔ نسائی۔ صحیح ابن سکن مین ایک ایسی نہی روایت کی گئی ہے۔ جس سے اس بات کی دانست ہوئی ہے کہ آمر و مامور معین ہو۔ کیونکہ روایت کی ہے ابن مسعود سے کہ دیکھا مجھے آنحضرت نے بایان ہاتھ داہن ہاتھ پر رکھے ہوئے۔ تو حضرت نے چھوڑا دیا اور دہنا بایئن پر رکھا۔ سند اسکی حسن ہے۔

مگر ہمارے اس استیناس نے اور بھی وحشت پیدا کی کیونکہ اولاً یہ حدیث حسن ہے۔ اور وہ حدیث صحیح کہی جاتی ہے تو حدیث صحیح کی وحشت حدیث حسن سے کیونکر دور ہو سکتی ہے کیونکہ حدیث حسن تو بمقابلہ صحیح کوئی چیز نہین۔

دوسرے یہ واقعہ مخصوص ہے ابن مسعود سے اس سے اوس حدیث عام کی وحشت کیونکر دفع ہوئی جسمین یہ بیان ہے کہ عام طور سے حکم دیا جاتا تھا۔

تیسرے اس حدیث مین نہ ذکر صلوۃ ہے نہ ذکر قیام نہ ذکر قعود۔ پھر اس حدیث سے اوسکو کیا نفع پہونچ سکتا ہے جو خاص نماز کے متعلق ہے۔

یہان معمولی عقل کا آدمی بھی کہدیگا کہ جس طرح بخاری نے وضعی حدیث لکھکر ہاتھ باندہ کر نماز پڑہنا ثابت کرنا چاہا اوسی طرح ان محدثین نے جو اونکے بعد ہوئے اس وضع کی حدیثین ڈھالین کہ بخاری

کی کاروائی پر بھی یہ دو ڈرے اور ہاتھ باندہنا بھی ثابت ہو۔ مگر این خیالات و محالست و جنون۔ کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی جسکے راوی خود امام مالک ہین تو اوسکے خلاف اپنا مذہب کیون قایم کرتے جو تمام عالم کو معلوم ہے کہ مالک کا مذہب ہاتھ کھولنا تھا چنانچہ خود ابن حجر ہی لکھتے ہین وروی ابن القاسم عن مالك الارسال وصار اليه اكثر اصحابه وعنه التفرقة بين الفريضة والنافلة ومنهم من كره الامساك ونقل ابن حاجب ان ذلك حيث يمسك معتمدا لقصد الراحة

یعنی ابن القاسم نے مالک سے روایت کیا ہے ارسال کو اور اکثر اصحاب اونکے اسی طرف گئے ہین اور اونسے فریضہ و نافلہ مین فرق بھی منقول ہے اور بعضے علمائے مالکیہ نے کراہت کی ہے ہاتھ باندہنے سے اور ابن الحاجب نے نقل کیا ہے کہ ہاتھ باندہنا بضرورت جائز ہی کہ بقصد آرام ایسا کیا جائے۔

تو اب دو ہی صورت ہے ایک یہ کہ امام مالک نے اپنا مذہب خلاف حدیث صحیح قایم کیا جس سے پھر اونکا کفر لازم آتا ہے ومن یشاقق الرسول دوسرے یہ کہ یہ حدیث صحیح نہین ہے جبھی مالک نے اسکو کوئی چیز نہ سمجھا اور اوسکے خلاف اپنا مذہب قایم کیا۔

اس روایت کا آخری فقرہ جسے مینے علامت وضع قرار دیا ہے۔ وہ قول ابو حازم ہے قال ابو حازم لا اعلمه الا ينمي ذلك الى النبي

یعنی کہا ابو حازم نے کہ مین جہانتک جانتا ہون اس روایت کو سہیل نے حضرت کی طرف منسوب کیا ہے ۔ اسکی حقیقت کچھ تو پہلے مذکور ہوئی ۔ مگر صحیح بخاری مین ہے کہ اسمعیل کہتے ہین یہ یُنمیٰ ہے بصیغہ مجہول ۔ نہ ینمی بصیغہ معروف مطلب اسکا یہ ہے کہ ابو حازم نے یُنمیٰ کہا تھا بصیغہ مجہول کہ مین جہانتک جانتا ہون اسکی نسبت کی جاتی ہے آنحضرت کی طرف نہ یہ کہ ابو حازم نے یہ کہا ہو کہ راوی نے حضرت کی طرف منسوب کیا

ان دونون لفظونکا فرق اسطرح ظاہر ہوگا کہ اگر قول (ابو حازم مین ینمی ہو بصیغہ معروف تو اوسوقت یہ معنی ہونگے کہ سہیل نے اسکی نسبت آنحضرت کی طرف کی اس صورت مین حدیث مرفوع متصل ہوگی کیونکہ سہیل نے حضرت کی طرف نسبت کی ہے اور بصیغہ مجہول لیا جائے کہ نسبت کی جاتی ہے ۔ تو اس صورت مین حدیث مرفوع نہ ہوگی بلکہ مرسل ہوگی ۔ جو صحیح نہین ہوتی شرح عینی مین ہے فعلی صیغۃ المجہول یکون الحدیث مرسلا لان ابا حازم لم یعین من انما لہ وعلی صیغۃ المعلوم یکون متصلا لان الضمیر فیہ یکون لسہیل بن سعد کان ابا حازم قد یتعین لہ المنمی وهو سہیل بن سعد ص ۱۹۰ جلد ۲

بہرحال جب خود بخاری نے بقول اسمعیل یُنمیٰ کو صحیح کہا تو خود بخود یہ روایت ساقط الاعتبار ہوئی کیونکہ مرسل ہے جسکو صحیح نہین کہہ سکتے کہ صیغہ مجہول پڑھنے پر حدیث مرسل ہوگی کہ خود صحابہ کا قول ہوگا اور صیغہ معروف پڑھنے پر حدیث متصل ہوگی کیونکہ ضمیر عائد ہوگی

سہیل بن سعد کی طرف

اس تحقیقات کے بعد کسی متامل کو اسمین شک رہیگا کہ یہ حدیث محض وضعی ہے کیونکہ جس روایت مین اتنی خرابیان ہون وہ کب قابل قبول ہو سکتی ہے چہ جائیکہ اوسپر نماز ایسے رکن دین کا مدار رکھا جائے اور سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ راوی اس روایت کے امام مالک ہین جنکا مذہب بالکل اسکے خلاف ہے پس اگر یہ حدیث صحیح ہوئی تو ممکن نہ تھا وہ اپنا مذہب اسکے خلاف قرار دیتے۔ کیونکہ لفظ حدیث ایسا مبہم ہے کسیطرح اوس سے یہ نہین معلوم ہو سکتا کہ یہ حکم رسول ہو کیونکہ مولوی عبدالحی صاحب ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی مین لکھتے ہین۔ قال ابن الصلاح لافرق فی ذلک بین ان یقول الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ اوبعدہ انتہی وتبعہ النوی فقال قول الصحابی امرنا بکذا اونہینا عن کذا اوامر الناس بکذا ونحوہ کلہ مرفوع سواء قال الصحابی ذلک فی حیوۃ رسول اللہ او بعد وفاتہ ونقضہ الحافظ العینی فی البنایہ شرح الہدایہ علی قولہ سواء قال ھذا غیر مسلم لجواز ان یقول الصحابی امرنا بکذا ونہینا بکذا بعد رسول اللہ ویکون الامر والناھی احد الخلفاء الراشدین انتہی وھذا الاحتمال قوی البتۃ ص ۱۱۲ یعنی ابن الصلاح نے۔ یہ اصول قائم کیا تھا کہ جب صحابی کہے امرنا بکذا تو وہ حدیث مرفوع ہے خواہ عہد نبی مین ہو یا بعد آنحضرت ہو۔ اسپر علامہ

عینی لکھتے ہین کہ یہ غیر مسلم ہے کیونکہ ممکن ہے آمر وناہی خلفار راشدین سے کوئی خلیفہ ہو۔ مولوی عبدالحی صاحب کہتے ہین کہ یہ احتمال البتہ قوی ہے۔

پس اگر بالفرض یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے حکم رسول کہان ثابت ہوا کیونکہ بقول عینی ممکن ہے یہ حکم کسی خلیفہ کا ہو۔

علامہ عینی کا یہی اعتراض اوس حدیث پر بھی ہے کہ امر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الوتر اسکے جواب مین انہین لاحجۃ للشافعیۃ فی هذا الحدیث لانہ لم یذکر الآمر فیحتمل ان یکون غیر النبی صلعم ظفر الامانی ۱۱ پس جب بلال کے بارہ مین اونکا یہ عذر ہے حالانکہ بلال نے پھر کسی خلیفہ کے لئے اذان نہ دی۔ تو سہیل بن سعد کے بارہ مین بدرجہ اولی یہی عذر کافی ہے کہ اونہون نے یہ حکم کسی خلیفہ کا بیان کیا ہو۔ سبکا سب سے بڑا قرینہ یہ ہے کہ مالک جو راوی اس حدیث کے ہین اونہون نے اسپر عمل نہ کیا اور برخلاف اوسکے اپنا مذہب قایم کیا

یہان عینی نے شرح صحیح بخاری مین کچھ مزید تفصیل سے کام لیا ہے لکھتے ہین ومن جملۃ ما احتججنا فی الوضع حدیث رواہ ابن ماجہ من حدیث الاحوص عن سماک بن حرب عن قبصہ بن المہلب عن ابیہ قال کان النبی صلعم یومنا فیاخذ شمالہ بیمینہ وحدیث اٰخر اخرجہ مسلم فی صحیحہ عن وائل بن حجر ان رسول اللہ صلعم رفع یدیہ الحدیث وفیہ ثم وضع یدہ الیمنی علی الیسری

وحدیث آخر اخرجه ابوداؤد والنسائی وابن ماجه من حدیث الحجاج بن ابی زینب سمعت اباعثمان یحدث عن عبداللّٰه بن مسعود انه کان یصلی فوضع یده الیسری علی الیمنی فراه النبی علیه الصلوة والسلام فوضع یده الیمنی علی الیسری و حدیث آخر اخرجه دارقطنی من حدیث ابن عباس عن النبی قال انا معشر الانبیاء امرنا بان نمسك بایماننا علی شمائلنا فی الصلوة وفی اسناده طلحة ابن عمر متروك وعن ابن معین لیس بشئ وحدیث آخر اخرجه الدارقطنی ایضاً عن ابی هریرة مرفوعاً نحو حدیث ابن عباس وفی اسناده النضر بن اسمعیل قال ابن معین لیس بشئ ضعیف ص ۱۵ جلد ۲

یعنی جن حدیثوں سے ہاتھ باندھنے پر یہ لوگ استدلال کرتے ہیں ایک حدیث ابن ماجہ ہے۔ احوص سماک بن حرب۔ قبیصہ بن مہلب۔ مہلب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ہلوگونکو نماز پڑھا رہے تھے تو بائیں ہاتھ کو پکڑا داہین ہاتھ سے۔

دوسری حدیث مسلم کی ہی وائل بن حجر سے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ اپنا رکھا بائین ہاتھ پر۔

تیسری حدیث روایت ابوداؤد ونسائی۔ وابن ماجہ ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ رکھا بائین پر یہ حدیث حجاج بن ابی زینب سے ابو عثمان سے وہ عبداللہ بن مسعود سے کہ یہ بایان ہاتھ داہنے پر رکھے تھے۔ حضرت نے

داہنا ہاتھ بائین پر رکھا۔

چوتھی حدیث دارقطنی کی ہے ابن عباس سے کہ حضرت نے فرمایا ہم معاشر انبیا کو اسکا حکم ہے کہ داہنے ہاتھ سے بایان ہاتھ پکڑین۔ اس کے روات مین طلحہ بن عمرو متروک ہے۔ ابن معین نے کہا لیس بشئی

پانچوین حدیث دارقطنی کی ابوہریرہ سے ہے مثل حدیث ابن عباس اسکے سند مین نضر بن اسمعیل ہے جو بقول ابن معین لیس بشئی ہے ضعیف ہے

یہ پانچ حدیثین ہین جنمین دو جو دارقطنی کی روایت ہے بقول خود عینی لاشئی ہے۔ باقی رہی تین روایتین پہلی روایت کے راوی اول احوص ہین خلاصہ تہذیب الکمال مین ہے قال ابن معین ثقۃ و مرۃ ثقۃ لیس بذاک المتوفی ۲۱۱؁ھ کہا ابن معین نے ایک دفعہ کہ ثقہ ہین دوسری مرتبہ کہا لیس بذاک

راوی دوم سماک بن حرب ہین میزان الاعتدال مین ہے صفحہ ۴۵ جلد اول

سماک بن حرب ابو المغیرہ	خلاصہ یہ کہ سماک بن حرب ہذلی
الہذلی الکوفی صدوق	صدوق ہین صالح ہین اوعیہ علم
صالح من اوعیۃ العلم	سے ہین روایت کی ابن المبارک
مشہور روی ابن المبارک	نے کہ وہ ضعیف ہین۔
عن سفیان انہ ضعیف	جریر ضبی کہتے ہین کہ ہم سماک کے
وقال جریر الضبی اتیت سماکا	یہان گئے تو اوسے کھڑے کھڑے
فرئیتہ یبول قائما فرجعت	پیشاب کرتے دیکھا لہذا واپس آکے

ولم اساله فقلت خرف
وروی احمد بن ابی مریم
عن یحیی سماك ثقة كان
شعبه یضعفه وقال
جناد المكتب كنا ناتی سماكا
فنساله عن الشعر ویاتیه
اصحاب الحدیث فیقبل
علینا ویقول سلوا فان
هولاء ثقلاء وروی
مومل عن حماد بن مسلمه
سمعت سماك بن حرب
یقول ذهب بصری فرایت
ابراهیم الخلیل فی النوم
فقلت ذهب بصری فقال
انزل الفرات فاغمس سماك ۱۲
وافتح عینك ان الله یرد
علیك بصرك ففعلت
ذلك فرد الله علی بصری
وقال ادركت ثمانین من الصحابة

اور کچھ نہ پوچھا اور کہا کہ خرف
ہو گیا ہے۔ شعبہ انکو ضعیف کہتے
ہین۔ جناد مکتب کہتے ہین کہ ہملوگ
شعر وغیرہ پوچھنے آتے تھے اور
اہلحدیث حدیث سیکہنے تو وہ
ہملوگون کی طرف متوجہ ہوتے
اور اہلحدیث کو کہتے یہ سب ثقیل
ہین۔ مومل نے کہا کہ جب انکی آنکھ
جاتی رہی تو حضرت ابراہیم ع
کو خواب مین دیکھا اونسے شکایت
کی تو کہا فرات مین غوطہ لگاؤ
اور آنکھین کھولدو۔ اس سے
پھر اون کی آنکھین روشن ہو گئین
سماک کا بیان ہے کہ ہمنے اسی ٨٠
صحابہ کو پایا۔ احمد کہتے ہین کہ سماک
مضطرب الحدیث ہے ابوحاتم
ثقہ صدوق کہتے ہین۔ صالح
جزرہ ضعیف کہتے ہین۔ نسائی
کہتے ہین جب وہ تنہا روایت

وقال احمد سماك مضطرب الحديث وقال هو اصلح حديثا من عبد الملك بن عمير وقال ابو حاتم ثقة صدوق وقال صالح جزرة يضعف وقال النسائي اذا انفرد باصل لم يكن حجة لانه كان يلقن فيتلقن روى حجاج عن شعبة قال كانوا يقولون سماك وعكرمة عن ابن عباس فيقول نعم فاما انا فلم اكن القنه قد روى قتادة عن ابى الاسود الدولى قال ان سرك ان يكذب صاحبك وقال عبد الله بن احمد بن حنبل قرات بخط ابى عن رجل لم يسمه قال كان سماك بن حرب فصيحا

کریں تو وہ قابل احتجاج نہیں کیونکہ انکو لوگ تلقین کرتے تھے تو یہ اوسکو یاد کر لیتے تھے شعبہ کہتے ہیں کہ لوگ کہتے تھے سماک وعکرمہ عن ابن عباس تو یہ کہتے ہاں ۔ ہم اونکی تلقین نہ کرتے تھے ۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مینے اپنے باپ کے حرف سے دیکھا ہے کہ سماک فصیح تھے اپنی خوش بیانی سے ۔ حدیث کو زینت دیتے ذہبی کہتے ہیں انسے مسلم نے اور شعبہ نے اور ایک جماعت نے روایت کی ہے ابن مدینی کہتے ہیں کہ اونکی دوسو روایت ہے ۔ ابن عمار کہتے ہیں کہ اکثر غلطی کرتے اور لوگ انکی روایت مین اختلاف کرتے ۔ عجلی جائز الحدیث کہتے ہیں سفیان ثوری

یزین الحدیث بمنطقه وفصاحته قلت قد احتج مسلم به فی روایته عن جابر بن سمرة والنعمان بن بشیر وجماعة وحدث عنه شعبه وزائدة وابو عوانه والناس قال ابن المدینی نحو مائتی حدیث قال ابن عمار کان یغلط ویختلفون فی حدیثه وقال العجلی جایز الحدیث کان الثوری یضعفه قلیلا وقال ابن المدینی روایته عن عکرمه مضطربة فسفیان وشعبه یجعلونها عن عکرمه وابو الاحوص واسرائیل یجعلونها عن عکرمه عن ابن عباس وقال یعقوب بن شیبه هو فی عن عکرمه صالح ولیس من المثبتین ص ۳۲۴

انکو ضعیف کہتے ہیں مگر کم۔ کہا ابن مدینی نے کہ ان کی روایت عکرمہ سے مضطرب ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں عن عکرمہ میں صالح ہیں۔ مگر مثبتین سے نہیں ہیں

تمام ہوا ترجمہ

راوی سوم قبیصہ بن مہلب عن ابیہ میزان میں ہے قال ابن المدینی مجہول لم یرو عنه غیر سماک وقال العجلی ثقة تابعی ص ۲۱۱ جلد ۲

کہا ابن مدینی نے کہ قبیصہ۔ بن مہلب مجہول ہیں بجز سماک کسی نے انسے روایت نہیں کی۔ عجلی ثقہ وتابعی کہتے ہیں۔

ان تصریحات صریحہ سے کہ تینوں راوی اسکے مجروح ہیں روایت ابن ماجہ کی قلعی تمام

عالم پر کھل گئی کہ یہ روایت کیسی ہے۔

اُس حدیث میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ حضرت ہملوگونکو نماز پڑھاتے تھے تو بائیں ہاتھ کو دہنے ہاتھ سے پکڑتے تھے۔ پس جب تینون راوی اسکے مجروح وضعیف ہین تو حدیث صحیح کہان رہی اسپر بنا کرکے ہاتھ باندھنا کیسا لغو ہے۔

دوسری حدیث ابن ماجہ۔ ابوداؤد۔ نسائی کی حجاج بن ابی زینب سے ہے کہ ابن مسعود نے کہا مینے بایان ہاتھ داہنے پر رکھا تھا حضرت نے داہنا ہاتھ بائین پر رکھدیا۔ ابن حجر نے اسے حسن کہا تھا مگر میزان الاعتدال مین ہے حجاج بن ابی زینب الواسطی الصیقل عن ابی عثمان النہدی وغیرہ وعنہ یزید بن ہارون وعبد الرحمن بن مہدی قال احمد اخشی ان یکون ضعیف الحدیث وقال ابن معین لیس بہ باس وقال ابن المدینی ضعیف وقال النسائی لیس بالقوی قلت مات سنة بضع وخمسین ومائة قال الدارقطنی لیس ھو بقوی ولا حافظ ص ۱۸۸ جلد اول کہا احمد بن حنبل نے مین ڈرتا ہون کہ کہین وہ ضعیف الحدیث نہو۔ ابن معین نے کہا کوئی مضائقہ نہین ابن المدینی نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہین ہے۔ دارقطنی نے کہا وہ قوی نہین ہے نہ حافظ حدیث ۱۵۰ھ وفات

تیسری روایت صحیح مسلم ہے حدثنا زهیر بن حرب قال نا عفان قال نا همام قال نا محمد بن جحادة قال حدثنی عبدالجبار بن وائل عن علقمه بن وائل و مولی لهما انهما حدثاه عن ابیه وائل بن حجر انه رای النبیؐ رفع یدیه حین دخل فی الصلوة کبر وصف همام حیال اذنیه ثم التحف بثوبه ثم وضع یده الیمنی علی الیسری فلما ان اراد ان یرکع اخرج یدیه من الثوب ثم رفعهما ثم کبر فرکع فلما قال سمع اللہ لمن حمده رفع یدیه فلما سجد سجد بین کفیه ص ۱۷۳

یہ حدیث اگرچہ بہ نسبت حدیث بخاری صریح ہے مگر بالکل خلاف قیاس ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو وہ ان حالات کو مشاہدہ کرے کیونکہ وائل بن حجر بیان کرتے ہین حضرت نے پہلی تکبیر کے لئے ہاتہون کو کانون کے برابر بلند کیا پھر لباس کو مثل لحاف اوڑھا پھر داہنے ہاتھ کو بائین ہاتھ پر رکھا جب رکوع کا ارادہ کیا تو ہاتہون کو باہر نکالا پھر تکبیر کہا پھر رکوع کیا جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر دونو ہاتہون کو بلند کیا اور جب سجدہ کیا تو دونو ہتہیلیون کے درمیان مین سجدہ کیا۔

اس حدیث کا یہ بیان کہ حضرت نے کپڑہ کو اچھی طرح اوڑھ لیا اور بطور لحاف بنایا خود بتا رہا ہے کہ راوی نے اسکے بعد وضع

یمنی علی الیسری کو محض تخمیناً بیان کیا ہے نہ یہ کہ دیکھا ہو کیونکہ ماموم کو ممکن نہین ان حالات کو دیکھ سکے خصوصاً جب امام چادر یا لحاف اوڑہے ہو کہ اوسکے اندر ہاتھ کو کیونکر رکھتا ہے کیونکر نہین ۔

ہان اگر یہ کہا جائے کہ وائل بن حجر اس دفعہ شریک جماعت نہ تھے بلکہ دیکھتے رہے تو البتہ ممکن ہے مگر یہ احتمال خود احتمال بعید ہے اور بالکل خلاف قیاس ۔

غرض یہی دو روایتین ہین جن سے استدلال کیا جاتا ہے ہاتھ باندہنے پر چنانچہ نووی کہتے ہین وحجة الجمہور فی استحباب وضع الیمین علی الشمال حدیث وائل المذکور ھہنا وحدیث ابی حازم عن سہل رواہ البخاری ص ۳۷

یعنی دلیل ان لوگونکی جو ہاتھ باندہنے کے قائل ہین ایک یہی حدیث وائل ہے جو صحیح مسلم مین ہے دوسری روایت ابو حازم جو صحیح بخاری مین مذکور ہے تیسری روایت ترمذی جو حسن ہے اور بہی حدیثین ہین مگر اونپر نہ حکم صحت لگایا ہے نہ حسن کا

مگر ان سب روایتون کا جواب علاوہ قدح رواۃ یہ ہے کہ اگر یہ روایتین صحیح ہوتین تو امام مالک اپنا مذہب اسکے خلاف نہ قائم کرتے جو ہاتھ کھول کر نماز پڑہتے ہین خاص کر جب خود ہی ایک حدیث کے راوی

ہین جو صحیح بخاری کی روایت ہے جس ببداہت ظاہر ہے کہ وہ اس روایت سے واقف تھے کیونکہ خود ہی اوسکے راوی ہین۔ تو بغیر اسکے کہ وہ اس روایت کو غیر صحیح جانتے تھے ممکن نہ تھا کہ اوسکے خلاف اپنا مذہب قائم کرے

مین جہانتک سمجھتا ہون اس ہاتھ باندھنے کے موجد امام **ابو حنیفہ** ہین۔ جسے اونہون نے بمخالفت ائمہ اہلبیتؑ ایجاد کیا اور چونکہ وہ سلطنت کے آور وہ تھے اسلئے یہی مذہب سلطانی قرار پایا جسکے بعد محدثین بھی اسپر مجبور ہوئے کہ اس قسم کی روایتین ڈھالین لہذا اس ایجاد کے بعد روایتون کی ساخت شروع ہوئی کیونکہ

اولاً اسلامی احکام جسقدر دیکھے جاتے ہین اونمین اسقدر سادگی اور بے تکلفی ہے کہ نہ کہین تصنع ہے نہ تکلف۔ اور ابو حنیفہ چونکہ اصلاً عجمی تھے اسلئے اونکی فطرت مین تکلف و تصنع بھرا ہوا تھا اسی لئے اونہون نے شاہی قواعد وآداب سے جو عجم مین مروج تھا کہ بادشاہ کے سامنے مودب **دست بستہ** کھڑے ہون۔ یہ طریقہ اخذ کیا کہ نماز مین بھی دست بستہ کھڑے ہون حالانکہ نہ شارعؑ نے اسکی اجازت دی تھی نہ اسکا حکم دیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ امام مالک جو عربی نژاد تھے اور صحابہ کی اولاد سے اور بود و باش انکی مدینہ مین تھی۔ اس تصنع سے بری رہے

اور وہی طریقہ انہون نے اختیار کیا جو رسول اللہ اور صحابہ وتابعین کا طریقہ تھا۔

ثانیاً ابو حنیفہ کا قیام کوفہ مین تھا جہان شیعون کی جمعیت زیادہ تھی اور اکثر موالی اہلبیتؑ تھے۔ اسلئے انکو اسکی ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرین جس سے شیعہ وسنی مین ایک نمایان فرق ہوجائے۔ کیونکہ افعال نماز سب کے یکسان تھے سب ہاتھ کھولکر نماز پڑہا کرتے۔ اسلئے کوئی تمیز نہ تھی کہ کون سنی ہے کون شیعہ لہذا ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے بین طور پر فرق نمایان ہو۔

بخلاف اسکے امام مالک کا قیام مدینہ منورہ مین تھا جہان کا بچہ بچہ تک آداب وقواعد نماز کے واقف تھا اور پھر ائمہ اہلبیتؑ کا بھی وہین قیام تھا۔ جنسے گو زمانہ موافق نہ تھا مگر نہ اونکی اعلمیت مین کسیکو عذر تھا نہ اسمین کہ یہی لوگ سچے وارث شریعت ہین۔ اسلئے اگر امام مالک وہان چاہتے بھی کہ خلاف طریقہ رائجہ کوئی طریقہ جاری کرین تو کبھی کامیاب بھی نہ ہوتے چنانچہ آپ معاویہ کی حالت دیکھ چکے ہین کہ جب اونسے بسم اللہ کا بہ آواز بلند کہنا سورہ مین ترک کیا تو ہر طرف سے مہاجرین وانصار کی آواز بلند ہوئی کہ اسرقت البسملۃ یا معویہ کہ اے معویہ تونے بسم اللہ چورالیا۔ تو بھلا امام مالک ایسی ایجاد مین کب

کامیاب ہو سکتے تھے۔ اسی سبب سے اور بھی وہ اوس طریقہ سابقہ کو چھوڑ سکے حالانکہ سلطنت کے دباؤ یا خاطر سے ایک روایت پیش کر دیا۔

ثالثاً خلافت بھی چونکہ خاندان بنی ہاشم مین آئی تھی اور بنی عباس و اولاد جناب امیر اسمین پہلے متحد سمجھے جاتے جسکو منصور دوانیقی نے اپنے زمانہ خلافت مین مٹایا۔ اسلئے وہ خلفا بھی اسپر مجبور تھے کہ کوئی ایسا طریقہ رائج ہو جس سے طرفداران سلطنت اور ہوا خواہان اہلبیتؑ طاہرین متمیز ہو جائین۔ اسلئے ہاتھ باندہنے نے زیادہ رواج پایا کیونکہ یہی گویا شاہی مذہب ہو گیا تھا۔ مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ چونکہ پائے تخت خلافت سے دور تھا۔ اسلئے ادسپر اثر کم پڑا اور امام مالک یہان مجبور تھے کہ اوسی طریقہ کو جاری رکھین جو زمانہ رسول اللہ سے مروج تھا۔

رابعاً امام مالک بہ نسبت ابو حنیفہ کے کچھ آزاد مزاج بھی تھے اور اون مین خود ایک طرح کی شان بھی تھی اسلئے وہ سلطنت کے دباؤ مین زیادہ نہ آتے چنانچہ ایکدفعہ ہارون رشید نے انسے فرمائش کی کہ امین و مامون کی تعلیم کے لئے روزانہ آیا کرین۔ ایک روز تو مالک گئے مگر دوسرے روز انکار کر دیا کہ اہل علم کی یہ شان نہین ہے کہ وہ تعلیم کے لئے جایا کرے بلکہ جو طالب علم ہوتا ہے اوسے آنا چاہئے۔ اسلئے اور بھی اونہون نے اپنا طریقہ نہ بدلا۔

بخلاف ابوحنیفہ کے کہ وہ ایسے خوشامدی تھے کہ منصور دوانقی نے انکو حکم دیا کہ اینٹین جو شہر بغداد کے تعمیر کے لئے آرہی ہین اونکو گنا کرو۔ ابوحنیفہ نے اوسے بھی قبول کرلیا۔

خامساً محدثین چونکہ قریب قریب سبھی خلافت کے وظیفہ خوار تھے۔ اسلئے جو ہوائے سلطنت ہوتی اوسکے مطابق حدیثین گڑھ دیتے اسلئے اتنی حدیثین اس باب مین بھی بنگئین۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے حسی امور مین اسقدر اختلاف ہو۔

آپ تو **رسالہ وضو** مین دیکھ چکے ہین کہ وضو کے بارے مین کیسا حکم صریح قرآن مین موجود ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین جسمین ایک اندھا بھی نہین شک کرسکتا کہ سر اور پیر پر مسح کا حکم ہے۔ حدیثین بھی بیشمار اسکے موافق ہین مگر چونکہ خلیفہ دوم نے پیر دہونے کی ایجاد کی تھی۔ اسلئے حدیثین اسکے موافق بن گئین اور قرآن مین ایک صریح غلطی کا الزام کرلیا گیا۔

اوسی طرح اس ہاتھ باندھنے کو سمجھئے کہ چونکہ سلطنت کا یہی مذہب تھا لہذا ہر طرح کا سامان مہیا کردیا گیا اور ہر قسم کی حدیثین وضع کردی گئین کہ یہی سنت رسول اللہ ہے حالانکہ محض غلط ہے۔

اگر میرے اس بیان پر وثوق نہو تو علامہ عینی کے کلام سے اس نتیجہ کو اخذ کیجئے کیونکہ وہ اختلاف محل کے متعلق لکھتے ہین فعندہ تحت السرۃ وعند الشافعی علی الصدر کہ حنفیہ کے نزدیک ناف کے

ہاتھ رکھنا چاہئے اور کسی کوئی تصریح اسکی نہیں ہے کہ کہاں ہاتھ باندھنا چاہئے۔ مگر ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا تھا۔ اور حنفیوں نے حضرت علی کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپنے فرمایا سنت یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھے ابن حجر لکھتے ہیں قلت ھذا قول علی بن ابیطالب و اسنادہ الی النبی غلط من راویہ۔ یعنی یہ قول حضرت علی کا ہے اور اسکی نسبت رسول اللہ کیطرف غلط ہے۔

جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ضعیف روایت کیوں حضرت کیطرف منسوب کی گئی۔ اسی لئے کہ وہ بھی ہاتھ باندھنے میں شریک کرلے جائیں۔

پھر لکھتے ہیں ولکن الذی روی عن علی فیہ مقال لان فی سندہ عبدالرحمن بن اسحق الکوفی قال احمد لیس بشئی منکر الحدیث یعنی جناب امیر والی روایت میں بھی کلام ہے کہ اوسکی سند میں عبدالرحمن بن اسحق کوفی ہے جسکے نسبت امام احمد کہتے ہیں کہ وہ منکر الحدیث ہے اور لیس بشئی۔

میرا مطلب اس سے یہ نہیں ہے کہ اس روایت سے وہ دست بردار ہوگئے ہوں کیونکہ [illegible] جواب دیا کہ جو داؤد نے اوس سے روایت کی۔ اور ابن حبان نے دوسری روایت نکالی جسکی خزیمہ

کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہمارا عمل اسپر ہے ۔

اس روایت اور اس تحقیقات عینی سے اسقدر تو آپکو یقیناً معلوم ہوا کہ محدثین اہلسنت نے ہواداری سلطنت مین کوئی کسر اوٹھا نہ رکھی اور ہر طرح کی کوشش کی کہ رسول اللہ کے نام سے بھی حدیثین گڑھین جناب امیرؑ کی طرف بھی وضعی حدیث کی نسبت کی جس مین وہ ایک حد تک کامیاب بھی ضرور ہوئے کہ مسلمانون کے ایک بڑی جماعت کی نماز کو خراب کیا اور قیامت تک ایک ایسا پھندا ڈال دیا جس سے نکلنا محال ہے ۔

اب مین اس رسالہ کو ختم کرتا ہون اور بطور اتمام حجت یہ عرض کرتا ہون کہ براے خدا و رسول اپنی نماز درست کیجیے اور ہاتھ کہول کر نماز پڑہیے ۔ جو طریقہ رسول اللہ تھا اور طریقہ اہلبیت اطہار اور طریقہ تمامی صحابہ و تابعین و امام مالک جو آجتک مالکیون مین رائج ہے ۔ چنانچہ علامہ عینی لکھتے ہین وحکی بن المنذر عن عبد اللہ بن الزبیر والحسن بصری وابن سیرین انہ یرسلہما وکذلک عند مالک فی المشہور یرسلہما وان طال ذلک علیہ وضع الیمنی علی الیسری للاستراحۃ ص ۱۵۱

یعنی ابن المنذر نے عبد اللہ زبیر خلیفہ و صحابی اور امام حسن بصری

اور ابن سیرین سے یہ روایت کی ہے کہ وہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ اور مالک سے بھی روایت مشہور یہی ہے مگر بغرض استراحت وہ اسکی اجازت دیتے تھے کہ نماز مین طول ہو جائے تو داہنا بائین پر رکھے۔

کیونکہ ہاتھہ باندھ کر نماز پڑھے گا تو آپکو ہزارون دقتین پیش ہین۔ اولاً یہ کہ اگر سینہ پر ہاتھ باندھے گا تو گو مذہب شافعی مین جائز ہے۔ مگر حنفیون کے یہان ناجائز۔ اور دونون کا استدلال حدیث سے ہے۔ پھر امام شافعی کو یہ بھی شکایت ہو گی کہ ہمنے تو ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی بھی اجازت دی تھی۔ اور امام احمد بن حنبل علیحدہ ناراض ہونگے کیونکہ اونسے دو روایت ہے۔ اگر اس احتمال سے نکل گئے تو پھر یہ دقت ہے کہ کس طرح رکھے گا کیونکہ علامہ عینی لکھتے ہین کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی (کف دست) بائین ہاتھ کے گٹے پر رکھنا چاہئے۔ ابو یوسف کہتے ہین داہنے ہاتھ سے بائین ہاتھ کا (رسغ) گٹا پکڑنا چاہئے۔ محمد کہتے ہین اسی طرح رکھنا چاہئے (یعنی پکڑنا نہ چاہئے) مفید مین ہے کہ (رسغ) گٹے کو خنصر و ابہام سے پکڑنا چاہئے یہی مختار ہے۔ درایہ مین ہے کہ کوع الیسر (جو نر انگشت اور خنصر کی طرف ہے) کو کف ایمن سے پکڑے۔ یہی قول احمد و شافعی ہے۔ ابو یوسف محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ باطن اصابع کو رسغ پر طولاً رکھے اور نہ پکڑے

اور اکثر مشایخ نے اسکو مستحسن سمجھا ہے کہ باطن کف دست
راست کو کف دست چپ پر رکھے اور خنصر و ابہام سے حلقہ
باندہے عینی ص١٥ جلد ٣

کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ شریعت سہلہ سمحہ مین ایسی موشگافی ہو سکتی ہے
حاشا و کلا یہ سب حنفیون کی ایجاد ہے جس سے شریعت اسلامی کی
تضحیک و توہین ہوتی ہے۔

ان سب کے بعد عینی نے اسرار شریعت بتایا ہے چنانچہ لکھتے ہین
الوجہ الخامس فی الحکمہ فی الوضع علی الصدر او السرۃ فقیل
الوضع علی الصدر ابلغ فی الخشوع وفیہ حفظ نور
الایمان فی الصلاۃ فکان اولی من اشارتہ الی العورۃ بالوضع
تحت السرۃ وھذا قول من ذھب الی ان السنۃ الوضع علی الصدر
ونحن نقول الوضع تحت السرۃ اقرب الی التعظیم۔ وابعد من التشبہ
باھل الکتاب واقرب الی ستر العورۃ وحفظ الازار عن
السقوط وذلک کما یفعل بین یدی الملوک وفی الوضع علی
الصدر تشبہ بالنساء فلا یسن ص١٢ جلد ٣

کہ ہاتھ باندہنے کا کیا فائدہ ہے سینہ پر ہاتھ رکھے گا تو یہ فائدہ ہے کہ اس مین
نور ایمان کی حفاظت ہوتی ہے نماز مین۔ تو یہ اولی ہے بہ نسبت اسکے کہ
ناف پر ہاتھ رکھکر اشارہ کرے طرف عورت یعنی آلہ تناسل کی طرف
اور حنفی اسکا یہ فائدہ بتاتے ہین کہ زیر ناف رکھنے سے ایک فائدہ تو یہ

کہ ستر عورت ہوتی ہے (کیا نماز بلا لباس کے ہوتی ہے) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ازار (پائجامہ یا تہبند) گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ جیسا کہ بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ تشبہ اہل کتاب سے کچھ بعد ہوجاتا ہے۔ یہ سب فوائد ہیں زیرناف ہاتھ باندھنے کے

اور چونکہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے عورتوں کی مشابہت ہوتی ہے۔ لہذا یہ مسنون نہیں ہے ص۱ جلد۳

اس بیان سے اور بھی میرے دعوے کی تصدیق ہوئی کہ امام ابوحنیفہ اسکے موجد ہیں کیونکہ وہ عجمی نژاد تھے شاہی آداب سے واقف لہذا اوسی قیاس پر نماز کا خشوع قائم کیا جسمیں اونکو اہل کتاب کے طریقہ نے بھی مدد دی کہ وہ شاید سینہ پر ہاتھ رکھتے تھے لہذا انہوں نے زیرناف رکھا کہ تشبہ اہل کتاب سے بھی علحدہ ہوں اور پھر شاہی آداب بھی قائم رہے۔ یہ فوائد بھی حاصل ہوں کہ ہاتھ عضو مخصوص پر رہے کیونکہ نماز سے بڑھکر کس وقت تخلیہ ہو سکتا ہے بھلا شریعت کو ان اسرار د فوائد سے کیا واسطہ اوسکی تعلیم تو یہی ہے ما اتیکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتھوا جو کچھ تمکو رسول دیں اوسکو لے لو اور جس سے منع کریں اوس سے باز رہو۔ یہ کس خدا نے کہا کہ تم اپنی رائے دوڑاؤ اپنی عقل اپنے قیاس سے کام لو اسکی تو ہزار ہا دفعہ ممانعت کی گئی ہے پھر آپ کون ہیں جو بادشاہان عجم کے طریقہ کو جاری کرتے ہیں کہ دست بستہ کھڑے ہوں۔ اور اہل کتاب

طریقہ سیکھے ہین کہ ہاتھ باندھکر نماز پڑھتے ہین اور اس سے نہین شرماتے کہ خدا کے سامنے کہان ہاتھ رکھتے ہین۔

اب شافعی اور حنفی کا فرق یہ نکلا کہ چونکہ شافعیون پر بقول ہمینی زنانہ پن غالب ہے لہذا اونہون نے عورتونکی مشابہت اختیار کی۔ اور حنفیون کو اونکے مقابلہ مین دوسری قوت شہوانی کے دبانے کی ضرورت تھی لہذا اونہونے زیر ناف ہاتھ رکھا کہ ازار نہ کھل جائے اور اصل نماز جو روح نماز ہے یعنی حضور قلب اوسکی کسیکو فکر نہوئی کیونکہ پہلے لکھ چکا ہون حضور قلب بغیر ارسال یدین یعنی بغیر ہاتھ ہاتھ کھولکر نماز پڑھنے کے ناممکن ہے۔

افسوس صد افسوس کہ اسلام کو ان لوگون نے کیسا ذلیل کیا کہ ایک نماز کو بھی اپنی اصلی حالت پر نہ رہنے دیا جس سے اسلام کی استقامت ظاہر ہوتی اور اسکی فیاضی کہ ہر وقت ہاتھ کھلے ہوے ہین جسکی طرف خداوند عالم نے اشارہ فرماتا ہے بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء

فهذا اخر الكلام في هذا المقام والله ولى
الانعام والصلوة والسلام على رسوله
واله الغر الكرام ولعنة الله على اعدائهم
الكفرة الفجرة اللئام رقمه الاحقر الاصغر
خادم الشرع الاطهر علي اظهر
حشره الله مع النبي واله خير
البشر۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

۹۱

اصلاحی نمبر

جلد ۱۲

۶/ ستمبر ۹
۲

۵۶۹۳۴

تحقیق صوم عاشورا

جواب اشتہار امرتسری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عشرۂ محرم الحرام سے جو یزیدی فرقون مین جوش ہوتا ہے اوسکی حالت اس سے ظاہر ہے کہ وہ باقی صرف ہمکو روکتے ہی نہین بلکہ اس ذریعہ سے بھی یزیدیت کی ٹھیکہ داری کی آمدنی بڑھاتے ہین مولوی ثناء اللہ صاحب ہر سال ہزارہا اشتہارات فی صدی بیچ لیتے ہین شیعہ غور رونے اور غم کرنے ہی سے کہان فرصت مگر یزیدی اسکو نہایت شوق سے لیتے ہین۔

ہمکو بھی عرصہ سے اشتیاق تھا کہ دیکھین وہ اشتہار کیسا ہے جو مفت بٹا کرتا ہے۔ اتفاقاً اس سال کرمی میر امداد حسین صاحب نے شہر میرٹھ سے روانہ کیا جو حسب ذیل ہے۔

محرم اور تعزیہ۔ ماہ محرم کی ۹-۱۰ تواریخ مین روزہ رکھنا سنت ہے اوس کی وجہ یہ ہے کہ جناب رسالتمآب فخر عالم افتخار بنی آدم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لیگئے تو یہودیون کو محرم کی دسوین تاریخ روزہ رکھتے پایا۔ حضور نے اون سے دریافت فرمایا کہ کیون تم اس روز روزہ رکھتے ہو اُنہون نے کہا اس روز حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات ملی تھی اوسکے شکریہ مین ہم روزہ رکھتے ہین۔ یہ سنکر حضور فخر عالم نے فرمایا نحن اقرب بموسیٰ ہم تو حضرت موسیٰ سے بہت قریب ہین۔ پس آپنے بھی دسوین محرم کا روزہ رکھا۔ مگر زندگی کے اخیر سال فرمایا کہ اگر مین آیندہ سال تک زندہ رہا تو نوین تاریخ کا بھی رکھونگا۔ پس محرم مین صرف دو روزہ رکھنا ایک مذہبی کام ہے اس کے علاوہ تعزیہ وغیرہ جو مسلمانون نے جاری کر رکھا ہے سب فضول بدعت اور گناہ کے کام ہین۔ انجمن ہذا کی طرف سے بذریعہ اشتہار ہمیشہ علماء اکرام کا فتویٰ شائع کیا جاتا ہے جس سے بہت سے خدا کے بندون کو ہدایت بھی ہوتی ہے اور آیندہ کو ہونے کی امید ہے اس سال بھی بذریعہ اشتہار ہذا اہل اسلام متبعین سنت خیر الانام کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تعزیہ کی مذموم رسم کو چھوڑ دو۔ اس رسم سے خدا۔ رسول اور تمام اہل بیت ناراض ہین۔ ہر سال کہین نہ کہین اس وجہ سے فساد ہوتا رہتا ہے جس سے بھائیون مین تفرقہ ہونیکے علاوہ حکام وقت کو بھی پریشانی ہوتی

ہے۔ پس بہتر ہے کہ مسلمان ایام محرم مین وہی کام کیا کرین جن سے خدا اور رسول علیہ السلام اور اہلبیت کرام راضی ہون اور دنیا مین بھی عزت سے رہین۔ بھائیو! غور کرو کہ مسلمانون کا کس قدر مال ایسے کامون مین ضایع ہوتا ہے حالانکہ مسلمانون کی قومی اور دینی ضروریات اس قدر ہین کہ اون کو پورا کرنیکے لئے مسلمانون کے پاس کافی روپیہ نہین۔ پھر یہ کیا عقلمندی ہے کہ ایسے فضول کامون مین روپیہ ضایع کیا جاتا ہے جو نہ دین کے کام ہون نہ دنیا کے۔ بھائیو ہوش کرو علماے کرام ہمکو ہمارے فائدے کی سوجھاتے ہین ہم کو بھی چاہیے کہ اون مقولے کو دل کے کانون سے سنین ”

اس کے بعد دس بیس پاسو پچاس مولویون کی دستخط ہے جو قواعد اہلحدیث کے خلاف ہے کیونکہ وہ تقلید کسی کی جائز نہین جانتے مگر مخالفت عزاداری مین سب روا یا جائز ہے۔

محرم کی ۹-۱۰ کے روزہ رکھنے کے بارہ مین جو حدیث پیش کی ہے اوسکا مطلب تو ظاہر ہے کہ ان لوگون نے حضرت کو اس بارہ مین یہود کا مقلد بنایا ہے کہ چونکہ حضرت نے مدینہ مین آکر یہود کو روزہ رکھتے پایا۔ اسلئے حضرت نے بھی روزہ رکھنا شروع کیا۔

یہ ایک ایسا خیال ہے کہ ایماندار آدمی کانپ اوٹھے کیونکہ خدا تو فرماتا ہے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء۔ یعنی تم صرف اونہین باتونکا اتباع کرو جو خدا کی طرف سے تیر نازل کیا گیا ہے اور اوسکے سوا اور کسی کو اپنا اولی نہ بناو۔ مگر اہلسنت نہین بلکہ وہابی کہتے ہین کہ رسول اللہ کو یہود کی پیروی اسدرجہ منظور تھی کہ نہ حضرت کو اس آیہ کا حکم یاد رہا نہ ان آیات کا جنمین بالخصوص یہود و نصاری کی مخالفت کا حکم ہے۔

خدا تو فرماتا ہے وان احکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واحذرھم ان یفتنوک من بعض ما انزل اللہ الیک فان تولوا فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبہم ببعض ذنوبہم وان کثیرا من الناس لفاسقون۔ افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون۔ یا ایہا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاری اولیاء بعضہم اولیاء بعض ومن یتولہم منکم فانہ منہم ان اللہ لا یہدی القوم الظالمین۔ سورہ مائدہ ع ۱۱

یعنی اے رسول تم حکم کرو مطابق اوسکے کہ خدا نے نازل کیا۔ اور ان کی خواہشوں کی پیروی نکرو اور ڈر تا رہ اون سے کہ کہین تمکو بہکا نہ دین بعض اون چیزون سے کہ خدا نے نازل کیا۔ اگر وہ پھیر لین تو جان تو کہ خدا چاہتا ہے کہ ان کی بعض معصیت کے سبب سے اوپر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ فاسق ہین۔ کیا حکم جاہلیت کی خواہش کرتے ہین۔ خدا سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اوس قوم کیلئے جو صاحب یقین ہوا ے ایمان والو نہ دوست بناؤ یہود کو نہ نصاریٰ کو یہ ایک دوسرے کے دوست ہین۔ اور جو شخص تم مین سے انکو دوست بنائیگا۔ تو وہ بھی انہین لوگون سے ہوگا بیشک خدا انہین ہدایت کرتا ظالمین کو۔

خداوند عالم تو قرآن مین اس طرح کا حکم نازل کرتا ہے نہ صرف رسول اللہ پر بلکہ تمامی مومنین پر کہ یہود و نصاریٰ سے محبت نہ کرو۔ اون پیروی نہ کرو۔ وہ تو تمکو بہکانا چاہتے ہین سوائے اون احکام کے جو تم پر نازل ہوئے اور کسی کی پیروی نہ کرو۔ مگر اہلسنت کہتے ہین کہ حضرت نے جو یہودیون کو روز عاشور روزہ رکھتے دیکھا تو آپنے بھی اونکی پیروی شروع کر دی۔ وہ بھی اس طرح کہ نہ اون کے کسی عالم سے دریافت کیا کیونکہ عوام کے افعال تو اکثر خلاف شریعت ہوتے ہین نہ خود توراۃ مقدس مین دیکھا کہ اوسمین بھی یہ حکم ہے یا نہین۔ بلکہ معاذ اللہ حضرت نے یہود کی بے سمجھے تقلید شروع کر دی۔ خدا اونلوگون پر لعنت کرے جو رسول اللہ پر ایسی تہمت دیتے ہین۔

مگر ہم اس سے بھی قطع نظر کرتے ہین کیونکہ جب یقیناً یہ معلوم ہوا کہ معاذ اللہ حضرت نے یہ روزہ صرف یہود کی پیروی مین رکھا تھا نہ بحکم خدا تو اب اڈیٹر صاحب اہلحدیث کو کم سے کم یہ تو ضروری ہے کہ دیکھین توراۃ مین اس روزہ کا کیا حکم ہے کیونکہ اب تو توراۃ کے ہزارون نسخے اردو مین لڑکے بھی پڑھتے ہین لہذا اوس مین دیکھ لینا چاہئے کہ یہ روزہ کس شان کا ہے تاکہ معلوم ہو اگر رسول اللہ نے معاذ اللہ یہود کی پیروی کی ہوگی تو اوسی طرح جس طرح اون کے یہان حکم ہوگا۔

کتاب احبار باب بست و سوم آیہ ۲۶ لغایت ۳۲ مین ہے۔

عہد عتیق اور خداوند تعالیٰ نے موسیٰ سے خطاب کیا کہ بنی اسرائیل سے کہہ کہ ساتوین مہینہ کی

پہلی تاریخ تمھارے لئے راحت اور یادگاری خاص کا دن ہو اس دن جماعت مقدس فراہم ہوگی کوئی کاروبار نہ کرنا اور اس مہینہ کے عاشورہ کے دن دسوین تاریخ یوم الغفران ہو یعنی تمہاری مغفرت کا دن ہو اس دن مین تمھاری دعوت یعنی فراہم جماعت مقدس ہوگی تم اس دن اپکو غمزدہ بناؤ اور خداوند کیلئے قربانیان گذرانو اور کوئی کام دنیا کا مت کرو کیونکہ وہ یوم الغفران ہے تاکہ اس دن مین تمھارے لئے خدا کے حضور مین مغفرت طلب کیجائے۔ جو کوئی کہ عین اس دن مین غمگین نہ ہو جائیگا وہ اپنی قوم سے کٹ جائیگا اور جو انسان اسدن مین کوئی کام کریگا اس انسان کو اس قوم مین فنا کرونگا۔

یہی طریقہ تمھاری قرنون اور پشتون مین آیندہ تک جاری رہو۔ یہ بزرگ دن سبت السبوت یعنی سبتون سے بہی بزرگ ہو تم اپنے دلکو غمگین بنانا جسوقت کہ اس ماہ کے نو دن گذر جائین تو نوین تاریخ کی شام سے دسوین تاریخ کی شام تک ہر کاروبار سے باز رہنا (یعنی شب عاشورا و روز عاشورا) یوم غم ہے اور یہ دن خدا کے حضور مین تمھارے لئے مغفرت طلب کریگا"

یہ ترجمہ انگریزی بائبل سے لیا گیا ہے ملاحظہ اصلاح نمبر ۱ جلد ۱۲

توراۃ مقدس کا اردو ترجمہ جو نارتھ انڈیا بائبل سوسائٹی نے چوتھی بار مرزاپور مین چھپوایا ہو اوس مین اور اس ترجمہ مین کچھ فرق ہو مگر مطلب ایک ہی ہو ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۰

۲۷ ساتوین مہینے مین بھی اور اسکے دسوین روز کفارہ دینے کا دن ہوگا۔ تمھاری مقدس جماعت ہوگی تم اس دن آپکو غمزدہ بناؤ۔

۲۹ جو کوئی انسان کہ عین اس دن مین غمگین نہ ہو جاویگا وہ اپنی قوم سے کٹ جاویگا۔

۳۲ یہ تمھارے لئے بہت آرام کرنیکے لئے ہوگا تم آپکو غمگین بناؤ تم اس مہینے کے نوین دن کی شام سے دوسری شام تک اپنے آرام کا وقت مان لیجیو"

دونون ترجمون سے آپ سمجھ سکتے ہین کہ اس مترجم نے گو تحریف کیا ہو مگر اصل پھر بھی نمایان ہے کہ شریعت موسوی مین یہ **روز غم** کرنے کا مقرر تھا جس سے پہلا حصہ روایت اڈیٹر اہلحدیث کا خود بخود ڈھہ گیا کیونکہ حدیث مذکور مین یہ روز فرح و سرور بنایا گیا ہے بوجہ اسکے کہ اوس روز فرعون سے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کو نجات ملی۔ حالانکہ توراۃ کی عبارت کہہ رہی ہو کہ وہ روز غم کا ہے

تو اگر رسول اللہ ؐ نے یہود کی متابعت مین اسروز روزہ بھی رکھا ہو گا تو وہ روزہ غم کا ہو گا نہ روزہ فرح و سرور

یہود کا تقلب امور دین مین سبکو معلوم ہے کہ وہ تعمیل احکام شریعت مین کیسے سخت تھے پھر کیونکر ممکن ہے کہ وہ اسروز سرور و شادی کی عید کرتے اور حضرت سے خلاف واقع بیان کرتے کہ آج کا روز روز عید ہے اور کیونکر ممکن تہا کہ حضرت خلاف حکم توراۃ محض اونکے غلط بیان پر عید سرور کرتے لہذا اگر بفرض محال مان بھی لیا جاے کہ حضرت نے اوسروز روزہ رکھا تو وہ اوسی قسم کا روز غم ہو گا جسکا حکم توراۃ مقدس مین مذکور ہے کہ اس روز شب و روز غم کرنا چاہیے! تو اب اہلسنت کو اور بھی لازم ہے کہ اوسروز غم کرین۔ کیونکہ یہ حکم توراۃ ہے جسپر کل یہود عامل تھے۔ اور بقول اہلسنت حضرت نے بھی اوسروز متابعت یہود فرمائی تو بہر طور روز عاشور قدیم الایام سے روز غم قرار پایا۔

اڈیٹر صاحب اہلحدیث نے جو یہ فتوی شایع کیا ہے اسمین نہ کسی حدیث کا پتہ دیا ہے نہ کتاب کا کہ آیا یہ حدیث ہے یا اونکے کسی بزرگ کا مقولہ کیونکہ صحیح بخاری مین اسکے متعلق چند حدیثین مذکور ہین مگر وہ سب اس عبارت سے مختلف ہین کیونکہ پہلی حدیث یہ ہے ان عائشۃ قالت کان رسول اللہ ؐ امر بصیام عاشورا فلما فرض رمضان کان من شاء صام و من شاء افطر ص ۱۳۱ جلد ۲ فتح الباری جزو ثامن

یعنی عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ؐ نے حکم دیا روزہ عاشور کا جب روزہ رمضان واجب ہوا تو جسکا جی چاہتا رکھتا اور جسکا جی چاہتا روزہ نہ رکھتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت نے خود روزہ کا حکم دیا تھا نہ اس سبب سے کہ یہود روزہ رکھتے تھے

دوسری حدیث یہ ہے ان عائشۃ قالت کان یوم عاشورا یصومہ قریش فی الجاہلیۃ وکان رسول اللہ یصومہ فی الجاہلیۃ فلما قدم المدینۃ صامہ و امر بصیامہ فلما فرض رمضان ترک عاشورا فمن شاء صامہ و من شاء ترکہ

یعنی چونکہ قریش زمانہ جاہلیت مین عاشور کو روزہ رکھتے تھے اسلئے رسول اللہ ؐ بھی زمانہ جاہلیت مین روزہ رکھتے تھے جب مدینہ تشریف لائے تو خود بھی روزہ رکھا اور دوسرونکو

بھی حکم دیا جب روزہ رمضان فرض ہوا تو وہ روزہ چھوڑ دیا گیا اب جو چاہے رکھے جو چاہے چھوڑ دے

یہ روایت روایت اڈیٹر المحدیث کے بھی خلاف ہے اور نیز روایت سابق کیونکہ اس میں حضرت نے تقلید کفار قریش اختیار کی تھی حالانکہ مقولہ اڈیٹر المحدیث میں حضرت نے تقلید یہود اختیار کی تھی۔

اب حضرات اہلسنت کو مناسب ہے کہ دونو حدیثوں کے اختلاف کو رفع کریں کہ کون صحیح ہے۔ اڈیٹر صاحب کو تو اشتہار بیچکر روپیہ کمانا ہے اسلئے اونکو کیا غرض کہ تحقیق کریں۔ مگر وہ کاش فتح الباری دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ اس حدیث نے اسلامی دنیا میں کیا ہل چل ڈالی ہے۔ کیونکہ عائشہ کہتی ہیں حضرت بتقلید جاہلیت زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھتے تھے۔ جب وارد مدینہ ہوئے تو روزہ عاشورہ کا حکم دیا اسپر ابن حجر لکھتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا حضرت کا حکم بروزہ عاشورہ وقت ورود مدینہ ہے۔ اور اسمیں شبہ نہیں کہ حضرت ماہ ربیع الاول میں وارد مدینہ ہوئے تو ضرور یہ حکم عاشورہ محرم ۲ھ ہجری میں ہوگا۔ حالانکہ اوسی ۲ھ میں روزہ ماہ رمضان کا فرض ہوا۔ جس سے لازم ہوا کہ فرض روزہ عاشورا اور روزہ رمضان ایک ہی ۲ھ میں ہو (حالانکہ روایات مذکورہ میں یہ ہے کہ حضرت نے روزہ عاشورا کا حکم دیا تھا اور سب روزہ رکھتے تھے۔ جب روزہ رمضان فرض ہوا تو وہ حکم اوٹھہ گیا) تو اگر فرضیت صوم عاشورا فرض بھی کیا جائے تو اوسکا فرض ہونا منسوخ ہوگیا۔

یہ تو پہلی مصیبت تھی اب دوسری مصیبت سنئے کہ اس حدیث سے استمرار عمل رسول بصوم عاشورا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہمیشہ اسمیں روزہ رکھتے تھے وکان رسول اللہ یصومہ فی الجاہلیۃ کہ حضرت زمانہ جاہلیت میں بھی روزہ رکھتے تھے حالانکہ اسی صحیح بخاری کی ابتدائی کتاب الصوم میں ہے قال صام النبی یوم عاشوراء وامر بصیامہ فلما فرض رمضان ترک وکان عبد اللہ لا یصومہ الا ان یوافق صومہ ص ۲۳۹

کہ حضرت نے ایک دفعہ روز عاشورا روزہ رکھا اور حکم بھی دیا جب رمضان کا روزہ واجب ہوا تو اوسکو چھوڑ دیا اور عبد اللہ بن عمر اسروز روزہ نہ رکھتے تھے ۔

جس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل استمراری نہ تھا بلکہ ایک دفعہ ایسا ہوا تو اب وہ حدیث کیا ہوئی جس میں عایشہ نے بیان کیا کہ حضرت زمانہ جاہلیت میں روزہ رکھا کرتے اور جب مدینہ آئے تو اوسکا حکم دیا۔

چوتھی مصیبت یہ ہے کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ ابن عمر جنکی نسبت عام طور سے بیان کیا جاتا ہے کہ سنت رسول اللہ کی پیروی میں انکو بڑی کد تھی۔ اس روز روزہ نہیں رکھتے تھے۔ جس سے یا تو وہ تارک فریضہ قرار پاتے ہیں یا اصلیت صوم یوم عاشورا باطل ہوتی ہے۔ کیونکہ ابن حجر لکھتے ہیں: ونقل عیاض ان بعض السلف کان یری بقاء فرضیۃ عاشورا لکن انقرض القائلون بذالک ونقل ابن عبد البر الاجماع علی انہ الآن لیس بفرض والاجماع علی انہ مستحب وکان ابن عمر یکرہ قصدہ بالصوم ثم انقرض القول بذلک

یعنی قاضی عیاض نے نقل کیا ہے بعض سلف سے کہ وہ اب بھی روزہ عاشورا کو فرض جانتے تھے مگر جن لوگوں کا یہ قول تھا وہ تمام ہوگئے۔ ابن عبد البر نے اسپر اجماع نقل کیا ہے کہ اب فرض نہیں ہے اور اسپر بھی اجماع ہے کہ وہ مستحب ہے مگر ابن عمر مکروہ جانتے تھے کہ اسروز روزہ رکھیں یہ قول بھی تمام ہوگیا اب کوئی اسکا قائل نہیں رہا۔

اس سے آپکو اچھی طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ یہ سب اقوال محض بطرفداری یزید پیدا کئے گئے تھے کہ خوشامد یزید میں پہلے تو اسکے قائل ہوئے کہ عاشورہ کو روزہ رکھنا فرض ہے۔ پھر اسکے قائل ہوئے کہ مستحب ہے۔ حالانکہ حکم شریعت کسی کی راے کے تابع نہیں ہے بلکہ حکم خدا و رسول کے تابع ہے لہذا بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ یہ سب ایجاد اسی یزید کی خوشنودی کیلئے کیا گیا تھا۔ کیونکہ جب یقینی طور پر معلوم ہے کہ ابن عمر اس روز کے روزہ کو مکروہ جانتے تھے تو پھر اجماع وجوب پر یا استحباب پر کیونکر ممکن ہے۔ اسلئے کہ مسلمہ علم اصول فقہ سے ہے کہ ایک مجتہد بھی اگر خلاف کریگا تو اجماع نہوگا پھر آخری عبارت ثم انقرض القول بذلک جسکا مشار الیہ غالباً قول استحباب ہے۔ بتا رہی ہے کہ یہ سب اقوال خلاف حکم شریعت تھے کہ جب زمانہ تسلط بنی امیہ ختم ہوا اور بنی عباس کا دور آیا تو قول استحباب بھی جاتا رہا۔ اسلئے کہ متوکل کے قبل جتنے خلفاے بنی عباس گذرے ہیں طریقہ بنی امیہ کے خلاف تھے پھر کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ کوئی قائل بہ استحباب روزہ عاشورا ہو۔

پانچوین مصیبت یہ ہے کہ اس حدیث مین کفار جاہلیت کے روزہ کا بھی ذکر ہے حالانکہ سبکو معلوم ہے کہ کفار قریش کسی مذہب و دین کے پابند نہ تھے خصوصاً شریعت حضرت موسیٰ سے اونکو تعلق نہ تھا پھر وہ کیون روزہ رکھنے لگے۔ ابن حجر لکھتے ہین۔

واما صیام قریش لعاشورا فلعلهم تلقوه من الشرع السالف و لهذا کانوا یعظمونه بکسوة الکعبة فیه وغیر ذلک

یعنی قریش کا بروز عاشورا روزہ رکھنا۔ شاید کہ شریعت سابقہ سے لیا ہو اسی لئے اس روز کی تعظیم کرتے تھے پوشش خانہ کعبہ سے کہ اوس روز خانہ کعبہ کو پوشش پہناتے۔

تو اب شریعت سالف سے یا تو مراد شریعت موسوی ہے جسکے وہ پابند نہ تھے یا شریعت ابراہیمی ہے جسپر قریش کا عمل درآمد کچھ نہ کچھ ضرور رہا

تو تعظیم روز عاشورا کا زمانہ اور بھی مقدم نکلا کہ زمانہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے اسکی ابتدا ہے کیونکہ خانہ کعبہ کے بانی وہی حضرت تھے اور حضرت اسمعیل کے قصہ مین فدیناہ بذبح عظیم قرآن مین موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ اسیوجہ سے تعظیم اس روز کی قدیم زمانہ سے جاری تھی مگر افسوس اہلسنت اوسکے مٹانے کی فکر مین ہین۔

دوسری وجہ یہ لکھتے ہین عن عکرمه انه سئل عن ذلک فقال اذنبت قریش ذنبا فی الجاهلیة فعظم فی صدورهم فقیل لهم صوموا عاشورا یکفر ذلک هذا معناه

یعنی عکرمہ سے سوال کیا گیا اس سے تو جواب دیا کہ قریش نے زمانہ جاہلیت مین ایک گناہ کیا تھا جو اونکو بہت عظیم معلوم ہوا تو کسی نے کہا عاشورا کو روزہ رکھو شاید یہی کفارہ ہو۔

مگر اسپر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خود ابن درید سے لکھ چکے ہین انه اسم اسلامی لا یعرف فی الجاهلیة ص ۳۱۲

کہ یہ نام اسلامی ہے اہل جاہلیت اسکو نہین جانتے تھے پھر کیونکر ممکن ہے کہ زمانہ جاہلیت مین اسکا وجود ہو جبکہ نام تک اسکا کوئی نہ جانتا تھا۔

ابن دحیہ نے اسی حدیث عائشہ سے قول ابن درید پر اعتراض کیا تھا کہ حدیث عائشہ مین موجو

ہے کہ اہل جاہلیت بروز عاشورا روزہ رکھتے تھے تو ابن حجر لکھتے ہیں وھذا الاخیر لا دلالہ فیہ علی رد ما قال ابن درید۔ یعنی اس حدیث کے ذریعہ سے قول ابن درید نہیں باطل ہو سکتا۔ جس سے اچھی طرح معلوم ہوا کہ اصل روایت موضوع ہے۔

تیسری روایت بخاری کی یہ ہے عن حمید بن عبد الرحمن انہ سمع معویہ بن ابی سفیان یوم عاشورا عام حج علی المنبر یقول یا اھل المدینۃ این علماءکم سمعت رسول اللہ ص یقول ھذا یوم عاشورا ولم یکتب اللہ علیکم صیامہ وانا صائم فمن شاء فلیصم ومن شاء فلیفطر۔

یعنی جس سال معویہ نے حج کیا تو منبر رسول پر جا کر بروز عاشورا کہا اے اہل مدینہ کہاں ہیں تمھارے علما کہ رسول اللہ ص سے ہمنے سنا ہے یہ روز عاشورا ہے خدا نے اسکا روزہ تمپر واجب نہیں کیا اور ہم روزہ سے ہیں جسکا جی چاہے روزہ رکھے جسکا جی چاہے افطار کرے۔

اس حدیث نے پہلی سب حدیثوں کو خاک میں ملا دیا کیونکہ راوی اسکے معویہ خلیفہ اہلسنت ہیں جو منبر رسول پر جا کر اس اعلان سے یہ حدیث بیان کر رہے ہیں کہ حضرت نے فرمایا روزہ عاشورا واجب نہیں ہے جسکا جی چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے۔

ابن حجر لکھتے ہیں ھو کلہ من کلام النبی ص کما بینہ النسائی فی روایتہ وقد استدل بہ علی انہ لم یکن فرضاً قطّ

یعنی پوری حدیث کلام رسول اللہ ص ہے جیسا کہ نسائی نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے اور استدلال کیا ہے اس سے کہ کبھی بھی یہ روزہ فرض نہ تھا۔

تو اب کل حدیثیں اس سے ماقبل کی وضعی ٹھہریں کیونکہ اون سب سے فرضیت صوم عاشورا ظاہر ہے اور یہاں حضرت نص صریح فرماتے ہیں کہ یہ واجب نہیں ہے۔

ابن حجر نے یہاں بہت کچھ ہاتھ پیر مارے اور چاہا ہے کہ اس حدیث کو رد کریں مگر لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر پہلا جواب یہ دیا ہے ولا دلالۃ فیہ لاحتمال ان یرید ولم یکتب اللہ علیکم صیامہ علی الدوام کصیام رمضان و غایتہ انہ عام خص بالادلۃ الدالۃ علی تقدم وجوبہ۔

یعنی اسمین یہ احتمال ہے کہ حضرت کا مطلب یہ ہو کہ خدا نے اس روزہ کو بطور دوام نہین واجب کیا جیسا کہ رمضان کا روزہ واجب ہے۔ غایۃ الامر یہ ہے کہ حدیث عام ہے جو خاص کر دی گئی ہے اون دلیلون سے جو دلالت کرتی ہین تقدم وجوب پر۔

مگر کوئی اس عقلمند سے پوچھتا کہ رسول اللہ ؐ تو اس صراحت سے فرما رہے ہین کہ اسکا روزہ واجب ہی نہین کیا گیا تو آپ یہ معنی کہان سے نکال رہے ہین کہ مثل روزہ رمضان نہین واجب ہے۔ کیونکہ کلام رسول اللہ ؐ تو صاف ہے واجب ہی نہین کیا گیا۔ پھر استمرار وغیر استمرار کو اسمین کیا دخل۔

یہان تو بجز اسکے کوئی چارہ نہین کہ اس حدیث کو صحیح مانئے تو پہلی روایتون کو باطل بتائیے جسمین حکم وجوب ہے۔ پھر عام وخاص کی یہان کہان گنجایش ہے یہان تو تناقض ہے۔ اور اگر اسکو باطل جانتے ہین تو صحت صحیح بخاری سے دست بردار ہو جائیے۔ اور اسپر بھی آپکو کوئی نفع نہین کیونکہ پہلے آپ تحقیق کر چکے ہین ایک ہی سال مین دونو واجب ہوا ۲ھ کے محرم مین صوم عاشورا اور رمضان مین روزہ رمضان جو اونکا ناسخ ٹھہرا۔ پس اگر عام وخاص مانتے ہین تو دونو کے وجوب کا قائل ہونا پڑیگا وہو محال۔

اسیوجہ سے تو امام نسائی نے نہایت وضاحت سے کہدیا انہ لم یکن فرضاً ط کہ کبھی بھی یہ واجب ہی نہین ہوا۔

دوسری تاویل یہ کی او المراد انہ لم یدخل فی قولہ تعالی کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم ثم فسرہ بانہ شہر رمضان ولا یناقض ہذا الامر السابق بصیامہ الذی صار منسوخاً ویوید ذلک ان معویۃ انما صحب النبی ؐ من سنۃ الفتح والذین شہدوا امرہ بصیام عاشورا والنداء بذلک شہدوہ فی السنۃ الاولی اوائل العام الثانی۔

یعنی یہ مراد ہے کہ روزہ عاشورہ حکم کتب علیکم الصیام مین نہین داخل ہے جسکی تفسیر کی کہ وہ روزہ ماہ رمضان ہے اور یہ مناقض امر سابق نہین ہے جسمین حکم روزہ دیا اور وہ منسوخ ہو گیا۔ جسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ معاویہ تو ۸ھ سے صحبت نبی مین داخل ہوا

اور جن صحابہ نے حکم سابق سنا تھا اونہون نے پہلے ہی سال مین یعنی اوائل ۲ھ مین سنا تھا۔

مگر افسوس یہ تاویل تو پہلے سے بھی بدتر ہے کیونکہ یہان نہ ذکر کتب علیکم الصیام ہے نہ اوسکی تفسیر۔ بلکہ حضرت فرماتے ہین کہ روزہ عاشورا فرض نہین کیا گیا تو پھر اوس حکم روزہ رمضان سے اسکو کیا واسطہ۔ اور اس سے بڑھکر کیا تناقض ہو سکتا ہے کہ ایکدفعہ تو فرض کہین دوسرے وقت بیان کرین کہ وہ نبر فرض نہین ہوا تھا اس سے بڑھکر کیا تناقض ہو سکتا ہے۔

اسلام وکفر معویہ کی بحث بھی بے سود ہے کیونکہ وہ تو حدیث رسول بیان کر رہا ہے کسی وقت مین اسلام لایا ہو ہان اگر وہ یہ کہتا کہ ہمنے حضرت کو کبھی روزہ رکھتے نہین دیکھا یا نہین سنا تو آپ کہہ سکتے تھے کہ حضور والا تو ۸ھ مین اسلام لائے اور یہ صحابہ اسکے قبل کے مسلمان ہین جو آپسے زیادہ واقف ہین۔

مگر یہان تو یہ کوئی بات نہین چل سکتی کیونکہ وہ قول رسول بیان کر رہا ہے کہ حضرت نے یہ فرمایا اور آپکے یہان تو یہ بھی مسلم ہے کہ جو سب سے آخر مین مسلمان ہوا اوسکی روایت زیادہ معتمد ہے۔

ابن حجر کو اسپر بھی تو غور کرنا چاہئے تھا کہ معویہ کہہ رہا ہے یا اهل المدينة اين علماءكم یعنی اے اہل مدینہ تمھارے علما کہان ہین جس سے معلوم ہوا کہ وہ تمامی علماء اہل مدینہ کو چیلنج دے رہا ہے۔ تو اگر کچھ بھی آپکی تاویلون مین گنجایش ہوتی۔ تو کیا ممکن تھا کہ وہ علماء اہل مدینہ ساکت رہتے۔ لہذا معلوم ہوا کہ کل علماء اہل مدینہ اسمین متفق تھے۔ کسیکو اوس سے مخالفت نہ تھی ورنہ ناممکن تھا کہ معویہ اس طرح للکار کر پکارے اور کوئی جواب نہ دیسکے۔

الا اینکہ آپ فرمائیے وہ کل صحابہ اور علماء اہل مدینہ اس نومسلم سے ایسا خائف ہوے یا بہ شعار روافض کار فرمائے تقیہ ہوے کہ ایک شخص نے بھی اسکے خلاف آواز نہ نکالی۔

تو آپکی یہ تاویلین نہ صرف مخالف معویہ کی روایت کے ٹھہرین۔ بلکہ کل علماء اہل مدینہ کے خلاف کیونکہ وہ سب موجود تھے اور کسی نے اسپر انکار نہین کیا۔

اور ہم کہتے ہین کہ اصل روایت ہی موضوع ہے کیونکہ بتصریح ابن حجر معویہ نے بعد حصول خلافت دو مرتبہ حج کیا ایک [illegible] مین دوسرے [illegible] مین لکھتے ہین واخر حجة حجها سنة سبع وخمسين

والذی یظہر ان المراد بہا فی ہذہ الحدیث الحجۃ الاخیرۃ۔

کہ دوسرا حج معویہ کا ۵۰ھ مین ہوا اور بظاہر اسی حج مین معویہ نے اس حدیث کو بیان کیا۔

مگر اہل علم جانتے ہین کہ معویہ اس سفر مین پہلے مدینہ آیا اور وہان سے مکہ گیا جہان اوس نے جناب امام حسینؑ اور عبد اللہ بن الزبیر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کے سر ونپر ایک ایک سپاہی کو معین کیا کہ اگر بوقت خطبہ یہ لوگ کسی طرح کلام کرین تو بے تامل قتل کر دینا اوسکے بعد معویہ نے ان سب کے سامنے کہا کہ یہ لوگ بیعت یزید کر چکے وسار معویہ الی الشام من لیلتہ ص۳۰۳ تاریخ خمیس یعنی اوسی رات کو معویہ مکہ سے شام کی طرف روانہ ہوا۔ پھر وہ مدینہ کہان آیا جو منبر پر جاتا اور اس حدیث کو بیان کرتا کیونکہ صحیح بخاری مین ہے کہ معویہ نے بروز عاشورہ منبر پر اس حدیث کو بیان کیا۔ تو یہ اوسی وقت ممکن ہے کہ بعد حج معویہ مدینہ پھر آیا ہو۔ جو کسی طرح ثابت نہین کیونکہ تاریخ خمیس سے معلوم ہوا کہ وہ سیدھا مکہ سے شام کو چلا گیا۔

اسیوجہ سے ابن حجر کو یہ تاویل کرنی پڑی وکانہ تاخر بمکۃ او المدینۃ فی حجتہ الی یوم عاشورا یعنی گویا کہ معویہ نے مکہ مین یا مدینہ مین اسقدر توقف کیا کہ روز عاشورا ملا۔ اسکی غلطی اس سے ظاہر ہے کہ وہ تاویل مین توقف مکہ یا مدینہ کو بیان کرتے ہین حالانکہ قول معویہ مین یا اہل المدینۃ موجود ہے تو اگر مکہ مین اوتنے دن قیام بھی کیا تو کیا فائدہ واقعہ تو مدینہ کا ہے اسکو ثابت کرنا چاہیئے کہ وہ مدینہ مین آیا اور روز عاشورا تک ٹھہرا رہا۔

ابن حجر صاحب معویہ کے اس قول سے این علماؤکم کہ اہل مدینہ کے علما کہان ہین۔ یہ نتیجہ نکالتے ہین فی سیاق ہذہ القصۃ اشعار بان معویہ لم یرلہم اہتماما بصیام عاشورا فلذلک سال عن علمائہم او بلغہ عمن یکرہ صیامہ او یوجبہ یعنی اس روایت مین انکا اشعار ہے کہ معویہ نے ان لوگونکو روزہ عاشورا مین کسی قسم کا اہتمام نہین دیکھا اسوجہ سے معویہ نے علماء المدینہ سے سوال کیا یا اوسکو یہ خبر ہو گئی تھی کہ لوگ اسکو مکروہ جانتے ہین یا واجب اس تاویل سے بھی معلوم ہوا کہ اصل روزہ عاشورا بالکل بے وجود ہے کیونکہ اگر کچھ بھی اسکی اصلیت ہوتی تو کب ممکن تھا کہ اہل مدینہ اوسمین اہتمام نہ کرتے جو اسکی نوبت آتی کہ معویہ اونکو ٹوکتا جیسے تمامی اہلسنت کا اجماع ہے کہ معویہ بہ نسبت دیگر صحابہ کے مسائل شرعی سے جاہل

تھا۔ چنانچہ خود ابن حجر نے بھی لکھا کہ وہ سنہ ۷ھ میں صحبت رسول مین داخل ہوا۔

دوسری دلیل اس خرافت کی یہ ہے کہ اگر یہ وجہ بیان حدیث قرار دیجائے تو حدیث سے اور بھی اوسی کی تائید ہوئی کہ یہ کوئی شی قابل اہتمام نہین ہے کیونکہ اوسنے بھی حدیث رسول بیان کیا ہے کہ یہ روزہ بیتر واجب نہ تھا۔ تو پھر کس عقل سے وہ عدم اہتمام اہلمدینہ پر اعتراض کرسکتا تھا اور اوسکے ثبوت مین اس حدیث کو پیش کرتا جس سے اور بھی بے اصلیت اس روزہ کی ثابت ہو۔

چوتھی روایت یہ ہے عن ابن عباس قال قدم النبیؐ المدینۃ فرای الیہود تصوم یوم عاشورا فقال ماھذا قالوا ھذا یوم صالح ھذا یوم نجی اللہ بنی اسرائیل من عدو ھو فصامہ موسیٰ قال فانا احق بموسیٰ منکم فصامہ وامر بصیامہ

یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے تو یہود کو روزہ رکھتے دیکھا پوچھا کیا ہے تو سبنے کہا یہ روز صالح ہے اس روز خدا نے نجات دی بنی اسرائیل کو اونکے دشمن سے لہذا حضرت موسیٰؑ نے روزہ رکھا تو حضرت نے فرمایا ہم زیادہ احق ہین موسیٰؑ کے ساتھ لہذا خود بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا۔

اسی حدیث کو غالبًا اڈیٹر صاحب نے بھی لیا ہے مگر الفاظ مین اختلاف ہے۔

مگر افسوس خود ابن حجر نے اس حدیث پر چند اعتراض لکھا ہے (۱) وقد استشکل ظاھر الخبر لاقتضائہ انہؐ حین قدوم للمدینۃ وجد الیہود صائما یوم عاشورا وانما قدم المدینۃ فی ربیع الاول

یعنی ظاہر حدیث تو کہتی ہے کہ حضرت نے مدینہ آکر اونکو بروز عاشور روزہ رکھتے پایا حالانکہ حضرت ماہ ربیع الاول تشریف لائے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ حضرت نے اونکو روزہ رکھتے پایا ہو بعد علمہم

والجواب عن ذلک ان المراد ای اول علمہ بذلک وسوالہ منہ کان بعد ان قدم للمدینۃ لا انہ قبل ان یقدمہا علم ذلک وغایتہ ان فی الکلام حذفًا تقدیرہ قدم النبیؐ المدینۃ فاقام الی یوم عاشورا فوجد الیہود فیہ صیامًا

یعنی اسکا جواب یہ ہی کہ مراد یہ ہے کہ حضرت کو پہلے بہل علم اسکا اور سوال اس بارہ مین بعد قدوم مدینہ ہوا نہ یہ کہ حضرت کو پہلے سے علم ہو۔ عدہ ابحاث کہ اس کلام مین محذوف ہی اور اصلیت اوسکی یہ ہے کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے اور روز عاشور تک قیام کیا تو یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔

اس تاویل سے بخاری کی روح پھڑک جائیگی اور قبل عذاب روز قیامت وہ اس عذاب دنیوی کو ملاحظہ کرینگے کہ ہمنے تو یہ روایت کی تھی قدم النبی المدینۃ فرای الیہود تصوم یوم عاشورا فقال ماھذا کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے۔ تو یہود کو بروز عاشورا روزہ رکھتے دیکھا۔ اور ہمارا اسلاف یہ تاویل کر رہا ہی کہ دس مہینہ بعد حضرت نے اونکو روزہ رکھتے دیکھا پھر بتایئے اس سے بڑھکر کیا عذاب ہو سکتا ہی کہ جو شخص بخاری کا شارح ہے اور ادعائے صحت کا ٹھیکہ دار وہ اس طرح روایت بخاری کی دھجی اوڑا رہا ہے۔ سچ کہا ہی من چہ می سرایم طنبورہ من چہ می سراید۔

ارے صاحب خدا سے ڈریئے یہ بخاری شریف ہی اسمین تحریف کہان ہو سکتی ہی جو آپ فرماتے ہین کلام مین محذوف ہے۔ اور یہ نہین فرماتے کہ یہ قدرت خدا ہے جو اپنے دین حق کی تائید کے لیئے وضعی روایتون مین ایسی نشانیان دکھا دیتا ہے کہ اوس سے موضوعیت اوس حدیث کی ظاہر ہو جائے۔

حدیث صحیح بخاری مین تو سنا ہی ہی کہ حضرت نے آنکھ سے اونکو روزہ دار دیکھا اور روایت مسلم مین وجد ہے کہ اونکو روزہ دار پایا جس سے بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ رویت ہو یا وجدان سب اوسی وقت کا واقعہ ہی جب آپ وارد مدینہ ہوئے نہ کہ دس مہینہ بعد

پھر اگر اس تاویل کو بھی مان لین کہ دس مہینہ بعد اسکا علم ہوا اور حضرت نے دریافت کیا پہلے اسے معلوم نہ تھا۔ تو بھی وہ سب روایتین غائب ہوتی ہین جو پہلے مذکور ہوین کہ حضرت زمانہ جاہلیت مین بھی روزہ رکھتے تھے اور حکم دیتے تھے جس سے پھر ہمارا مقصود بہر طور حاصل ہوا کہ صحیح بخاری مجموعہ خرافات ہے نہ مجموعہ صحاح روایات۔

اب دوسری تاویل ملاحظہ ہو یحتمل ان یکون اولئک الیہود کانو یحسبون

یوم عاشورا بحساب السنین الشمسیة فصادف یوم عاشورا بحسابهم الیوم الذی قدم فیه المدینة وهذا التاویل مما یترجح به اولویة المسلمین واحقیتهم بموسیٰ ؑ لاضلالهم الیوم المذکور وهدایة اللّٰہ المسلمین له۔

یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ یہود کا حساب چونکہ شمسی تھا لہذا اونکے حساب سے عاشورا اوسی روز تھا جس روز حضرت وارد مدینہ ہوئے جس سے اور بھی اولویۂ مسلمین اور احقیت اون کی حضرت موسیٰ سے ظاہر ہوئی کہ وہ تو گمراہ ہوگئے تھے اوس روز سے اور مسلمین نے ہدایت پائی۔

مگر یہ تاویل جیسی خوبصورت ہے ظاہر ہے کہاں روز عاشورا کہاں ربیع الاول حالانکہ حدیث مین صاف طور پر یہ ہے کہ حضرت نے اونکو بروز عاشورا روزہ رکھتے دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ وہ روز عاشورا بحساب عرب تھا نہ بحساب یہود۔

اسیوجہ سے خود ابن حجر نے اس تاویل کو رد کردیا کہتے ہین ولکن سیاق الاحادیث یدفع هذا التاویل والاعتماد علی التاویل الاول کہ سیاق حدیث سے یہ تاویل باطل ہوتی ہے اور اعتماد تاویل اول پر ہے۔

اسکے بعد ایک روایت طبرانی کی لکھی ہے کہ یوم عاشورا یہ نہین ہے جسکو لوگ بیان کرتے ہین بلکہ وہ روز ہے جسمین خانہ کعبہ پر پوشش ڈالی جاتی۔ اور وہ تاریخ سنہ مین دورہ کرتی جسکے لئے وہ ایک یہودی کے پاس جایا کرتے جو حساب کرتا جب وہ یہودی مرگیا تو زید بن ثابت کے پاس آتے سند اس روایت کی حسن ہے۔

شیخ ہیثمی لکھتے ہین کہ ہم اس حدیث کے مطلب کو نہ سمجھ سکے۔ ابن حجر لکھتے ہین کہ آثار قدیمہ ابوریحان بیہروتی سے معلوم ہوا کہ یہود اپنے روزہ اور عید کے لئے نجوم کے حساب پر اعتماد کرتے تھے کیونکہ اونکا سال شمسی ہوتا نہ ہلالی۔ اس لئے وہ محتاج تھے اس شخص کی طرف جو ان کا حساب کرتے۔

مگر افسوس اسکا خیال نہ کیا کہ پوشش خانہ کعبہ کی ضرورت تو اہل مکہ کو تھی۔ وہان زید بن ثابت کہان تھے جنکے پاس وہ لوگ بعد موت اوس یہودی کے آیا کرتے۔

دوسرا اعتراض اس حدیث پر ابن حجر یہ لکھتے ہین واستشکل رجوعہ الیہم فی ذلک یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہو کہ حضرت نے یہود سے اسکو دریافت کیا تھا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ حضرت اون کی طرف رجوع کرتے۔

اسی کو ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ اس حدیث سے لازم آتا ہو کہ حضرت یہود کی تقلید کرین حالانکہ خدا اس سے منع کرتا ہے۔

اسکے جواب مین لکھتے ہین واجاب المازری باحتمال ان یکون اوحی بصدقہم او تواتر عندہ الخبر بذلک زاد عیاض او اخبرہ من اسلم منہم کابن سلام ثم قال لیس فی الخبر انہ ابتداء الامر بصیامہ بل فی حدیث عائشہ التصریح بانہ کان یصومہ قبل ذلک فغایۃ ما فی القصۃ انہ لم یحدث لہ بقول الیہود تجدید حکم وانما ہی صفۃ حال وجواب سوال ولم یختلف الروایۃ عن ابن عباس فی ذلک ولا مخالفۃ بینہ وبین حدیث عائشہ ان الجاہلیۃ کانوا یصومونہ کما تقدم اذ لا مانع من توارد الفریقین علی صیامہ مع اختلاف السبب فی ذلک قال القرطبی لعل قریشا کانوا یستندون فی صومہ الی شرع من مضی کابراہیم وصوم رسول اللہ یحتمل ان یکون بحکم الموافقۃ لہم کما فی الحج واذن اللہ فی صیامہ علی انہ فعل خیر فلما ہاجر ووجد الیہود یصومونہ وسالہم وصامہ وامر بصیامہ احتمل ذلک ان یکون استئلافاً للیہود کما استالفہم باستقبال قبلتہم ویحتمل غیر ذلک علی کل حال فلم یصمہ اقتداء بہم فانہ کان یصومہ قبل ذلک وکان ذلک فی الوقت الذی یحب فیہ موافقۃ اہل الکتاب فیما لم ینہ عنہ ص۱۳ جلد۲ فتح الباری

مازری نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہو خدا نے وحی کی ہو اسکی کہ یہود کی اس خبر مین تصدیق کرین (مگر افسوس حدیث مین کوئی اسکا مذکور نہین) اور ممکن ہے کہ حضرت کو تواتر اسکی خبر پہونچی ہو (غرض یہ ہو کہ صرف یہود کی خبر دینے سے حضرت نے نہین باور کیا۔ بلکہ تواتر سے یہ بات ثابت ہوئی مگر افسوس حدیث کا لفظ اسکے موافق نہین)

قاضی عیاض نے یہ احتمال پیدا کیا ہے کہ ممکن ہے اون یہود نے خبر دی ہو جو اسلام لاچکے ہون مثل ابن سلام کے (مگر ابن سلام کا اسلام اسکے بعد ہے نہ اوسوقت جب حضرت تشریف لائے تھے ۔ اور یہ واقعہ اوسیوقت کا ہی)

پھر کہا قاضی نے کہ حدیث مین یہ نہین مذکور ہے کہ حضرت نے اس روزہ کا آج حکم پہلے پہل دیا ۔ بلکہ حدیث عائشہ سے معلوم ہوا کہ حضرت پہلے سے روزہ رکھتے تھے (مگر افسوس جو شخص کچھ بھی عقل رکھتا ہے الفاظ حدیث سے یہی نتیجہ نکالتا ہے کہ حضرت نے یہود کو جونکہ روزہ رکھتے دیکھا تو اون سے وجہ پوچھی جب وجہ بتائی تو حضرت نے بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا تو پھر یہ کہنا کہ حضرت نے ابتدائی حکم نہین دیا کیسے صحیح ہوسکتا ہے ۔ رہی حدیث عائشہ تو وہ سرے سے اسکی معارض ہے پھر اوس سے استناد کیونکر ہوسکتا ہے ۔ اوسکو صحیح مانو تو اس سے دست بردار ہوجاؤ کیونکہ وہان بیان ہے حضرت پہلے سے زمانہ جاہلیت مین روزہ رکھتے تھے ۔ اور یہان یہ بیان ہے کہ جب حضرت نے یہود سے دریافت کیا تب روزہ رکھا جس سے صریح تناقض نمایان ہے ۔

قاضی عیاض لکھتے ہین تو غایۃ الامر اس قصہ مین یہ ہے کہ حضرت نے قول یہود سے حکم جدید نہین دیا بلکہ یہ صفہ حال وجواب سوال ہے (مگر یہ تقریر ایسی مضحک ہے کہ جواب کی ضرورت نہین کیونکہ حدیث کا لفظ اسکو رد کر رہا ہے فقال ماہذا ۔ حضرت نے پوچھا یہ روزہ کیسا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت اسکو نہ جانتے تھے ۔ قالوا ہذا یوم صالح یہود نے بتایا یہ روز نیک ہے کہ خدا نے موسیٰ کو نجات دی قال فانا احق بموسیٰ منکم فصامہ حضرت نے فرمایا تو ہم زیادہ احق ہین موسیٰ کے ساتھ اسکے بعد روزہ رکھا اور حکم صیام دیا ۔ تو اس سے کون احمق یہ سمجھ سکتا ہے کہ حضرت نے یہود کے بیان پر نہین حکم روزہ دیا ۔ بلکہ یہ تو بدیہی ہے جسمین کسی بچہ کو بھی عذر نہین ہوسکتا کہ اگر یہ حدیث مانی جاے تو حضرت مقلد یہود ٹھہرتے ہین)

پھر لکھتے ہین کہ ابن عباس کی روایتین اس بارہ مین مختلف نہین ہین نہ اس سے مخالفت حدیث عائشہ لازم آتی ہے کیونکہ ممکن ہے دونو فریق روزہ رکھتے ہون اگرچہ سبب مین اختلاف ہو ۔ کہا قرطبی نے ممکن ہے کہ قریش شریعت سابقہ حضرت ابراہیم کے بنا بر روزہ رکھتے ہون اور روزہ رسول اللہ ص کا ممکن ہے بموافقت اونکے ہو جیسا کہ حج مین ہوا ۔ یا خدا نے آپکو اذن دیا

ہو کہ یہ بھی فعل خیر ہے۔ جب ہجرت کیا اور یہود کو روزہ رکھتے پایا اور اون سے سوال کیا تو روزہ رکھا اور حکم روزہ دیا (اختلاف حدیث ابن عباس کا تو مدعی کوئی نہین اور مخالفت حدیث عائشہ تو بدیہی ہے۔ اس سے بھی بحث نہین کہ دونو فریق روزہ رکھتے ہون۔ بلکہ بحث اسقدر ہے کہ حدیث عائشہ لکھتی ہے حضرت پہلے سے روزہ رکھتے تھے اور حدیث ابن عباس لکھتی ہے بعد ورود مدینہ و دریافت یہود روزہ رکھا۔ تو بتائیے کون سی حدیث صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث عائشہ پر حضرت مقلد کفار قریش ٹھہرتے ہین اور حدیث ابن عباس کی مقلد یہود۔ جو دونو باطل ہے۔)

افسوس صرف اس غرض سے کہ روز شہادت امام حسین علیہ السلام روز عید قرار پائے کہ حضرت اس روز روزہ رکھا کرتے یہ سب افترا رسول اللہ صلعم پر کیا جاتا ہے جس سے علماء اہلسنت اس مصیبت مین گرفتار ہین کہ کوئی بات درست نہین ہوتی۔

پھر لکھتے ہین کہ ممکن ہے حضرت نے یہود سے ایتلاف کرنے کو ایسا کیا ہو کہ روزہ رکھا ہو جیسا کہ استقبال قبلہ مین بھی حضرت نے ایسا ہی کیا اور دوسرے بھی احتمالات ہین۔ بہرحال حضرت نے یہود کی تقلید مین ایسا نہین کیا بلکہ قبل سے روزہ رکھتے تھے۔ اور یہ اوس زمانہ کی بات ہے کہ جب حضرت موافقت اہل کتاب چاہتے تھے جس امر مین کہ نہی نہین ہوئی تھی (مگر افسوس ان سب کا نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ حضرت احکام شریعت مین پابند حکم خدا نہین تھے۔ بلکہ اپنی رائے اور اجتہاد سے جو کام چاہتے کرتے پھر یہ لوگ کیونکر دعوی اسلام کر سکتے ہین حالانکہ خدا فرماتا ہے اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء

بہرحال اگر یہ روایت صحیح مانی جائے تو وہ روایت بھی غلط ہوتی ہے جو عائشہ سے منقول ہے کہ حضرت پہلے سے روزہ رکھتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خلاف حکم قرآن آپ یہود کی اقتدا کرتے تھے۔ حالانکہ قرآن پکار پکار کر منع کر رہا ہے۔ ولن ترضی عنک الیھود والنصاری حتی تتبع ملتھم قل ان ھدی اللہ ھو الھدی ولئن اتبعت اھوائھم بعد الذی جاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر۔

یعنی یہود و نصاری تو اوسی وقت تجسے خوش ہو سکتے ہیں کہ تم اونکے مذہب کی پیروی کرو کہو کہ ہدایت تو وہی ہے جو خدا کی ہدایت ہے۔ اگر تو اون کی پیروی کریگا تو پہر خدا سے بچانے والا نہ کوئی ولی ہے نہ نصیر۔

یہ تو فرمان الٰہی ہے اور حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ رسول اللہ بہت دوست رکھتے تھے اونکی پیروی اور اتباع کو۔ خدا رحم کرے۔

ان سب کے بعد ابن حجر یہ روایت لکھتے ہیں صحیح مسلم سے سمعت ابن عباس یقول صام رسول اللہ عاشورا وامر بصیامہ قالوا انہ یوم تعظمہ الیہود والنصاری یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ حضرت نے بروز عاشورا روزہ رکھا اور حکم دیا کہا کہ تو وہ روز ہے کہ اوسکی تعظیم یہود و نصاری کرتے تھے۔

اسپر یہ اعتراض لکھتے ہیں بان التعلیل بنجاۃ موسی وغرق فرعون یختص بموسیٰ ویہود واجیب باحتمال ان یکون عیسی کان یصومہ وھو مما لم ینسخ من شریعۃ موسی لان کثیراً منہا ما نسخ بشریعۃ عیسی لقولہ تعالی ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم۔

کہ نجاۃ حضرت موسیٰؑ اور غرق فرعون تو خاص حضرت موسیٰؑ و یہود سے متعلق ہے۔ پھر حضرت عیسیٰؑ کا ذکر یہاں کیسا تو اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ممکن ہے حضرت عیسیٰؑ بھی اس روز روزہ رکھتے ہوں اور یہ حکم اون کی شریعت میں نہ منسوخ ہوا ہو کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی اکثر شریعت حضرت عیسیٰؑ کے اس قول سے منسوخ ہوئی ہے کہ تاکہ حلال کریں بعض اوس چیز کو کہ حرام کی گئی ہے۔ (جس سے معلوم ہوا کہ بعض شریعت منسوخ ہوئی ہے) اور اکثر احکام فرعیہ نصاری کے ماخوذ ہیں توراۃ سے۔

امام احمد نے ایک دوسری روایت نکالی ہے۔ ابن عباس سے صوم یہود کے بارہ میں بروز عاشورا کہ سفینہ حضرت نوحؑ نے اوس روز استقرار لیا کوہ جودی پر اسکے شکریہ میں حضرت نوحؑ و موسیٰؑ نے روزہ رکھا اور ذکر حضرت موسیٰؑ خاص طور پر اسوجہ سے ہوا کہ وہ شریک ہیں حضرت نوحؑ کے نجاۃ میں اور غرق اعدا میں (چونکہ اس روز عاشورہ کے روز غم کرنیکا حال خاص توراۃ مقدس سے مذکور ہو چکا ہے لہذا اسپر زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جب توراۃ میں خاص طور پر عید غم

منانے کا حکم ہو کہ امروز غم کرو۔ تو یہ سب روایتیں خود وضعی ثابت ہوئیں خواہ بسبب نجاۃ حضرت موسیٰ ہو یا بوجہ نجاۃ حضرت نوح کیونکہ اصل حکم تو غم کرنیکا ہے)۔

پانچویں حدیث بخاری کی یہ ہے عن ابی موسیٰ قال کان یوم عاشورا تعدہ الیہود عیدا قال النبیؐ فصوموہ انتہی یعنی ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ روز عاشورا کو یہود روز عید قرار دیتے تھے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ تم لوگ امروز روزہ رکھو۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ سبب حکم روزہ یہی تھا کہ حضرت نے یہود کو اس روز عید کرتے دیکھا جس سے روایت ابن عباس کی تائید ہوئی۔

اس حدیث کی شرح میں ابن حجر لکھتے ہیں فظاہرہ ان الباعث علی الامر بصومہ محبۃ مخالفۃ الیہود حتی یصام ما یفطرون فیہ لان یوم العید لا یصام وحدیث ابن عباس یدل ان الباعث علی صیامہ موافقتہم علی السبب وھو شکر اللہ علی نجاۃ موسی لکن لا یلزم من تعظیمہم لہ واعتقادہم بانہ عید انہم کانوا یصومونہ فلعلہم کان من جملۃ فی شرعہم ان یصوموہ وقد ورد صریحا فی حدیث ابی موسی ھذا فیما اخرجہ المصنف فی الہجرۃ بلفظ واذا اناس من الیہود یعظمون عاشورا ویصومونہ ولمسلم من وجہ آخر عن قیس بن مسلم باسنادہ قال کان اھل خیبر یصومون یوم عاشورا یتخذونہ عیدا ویلبسون نساءہم فیہ حلیہم وشارتہم وھو بالشین المعجمۃ ای ھیئتہم الحسنۃ وقولہ ھذا یوم لاشارۃ الی نوع الیوم لا الی شخصہ۔ مثلہ قولہ تعالی ولا تقربا ھذہ الشجرۃ فیما ذکرہ الفخر الرازی فی تفسیرہ صہ ۳۱۴

یعنی ظاہر یہ ہے کہ حضرت نے حکم صوم بمخالفت یہود دیا تھا کیونکہ حضرت اسکو دوست رکھتے تھے کہ اون کی مخالفت کی جائے لہذا چونکہ وہ روز عید یہود تھا۔ اس لیے حضرت نے حکم روزہ دیا کیونکہ عید کے روز روزہ نہیں ہے اور حدیث ابن عباس بتاتی ہے کہ حکم روزہ بموافقت یہود تھا کیونکہ خدا نے اوس روز حضرت موسیٰ کو نجاۃ دی تھی (یہ اختلاف بیانی بھی قابل قدر ہے کہ ایک طرف تو حضرت کو مقلد یہود بتاتے ہیں کہ حضرت کو اون کی خاطر اسقدر منظور تھی کہ اون

احکام شرعیہ مین بھی آپ اون کی اقتدا کرتے۔ دوسری جگہ یہ بیان ہوتا ہے کہ حضرت کو اس درجہ اونکا خلاف منظور تھا کہ جس روز وہ عید کرتے آپ روزہ کا حکم دیتے۔ اس اختلاف کی بھی کوئی حد ہے۔ خود روایات سابقہ مین تو یہ بیان ہے کہ حضرت نے اونکو روزہ دار پایا اسلئے آپ نے بھی روزہ رکھا۔ اور یہان یہ بیان ہوتا ہے کہ حضرت نے اون کی مخالفت مین روزہ رکھا کس دلیل سے کہ اس حدیث مین مذکور ہے کہ وہ روز عید تھا۔ اور روز عید روزہ نہین رکھا جاتا لہذا اسکی تاویل مین فرماتے ہین)

لیکن اون کے عید جاننے اور تعظیم کرنے کو یہ نہین لازم ہے کہ وہ روزہ نہ رکھتے ہون کیونکہ ممکن ہے اون کی شریعت مین بھی حکم ہو کہ روز عید روزہ رکھے چنانچہ خود بخاری نے جو کتاب ہجرت مین روایت کی ہے اسی ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ یہود کو دیکھا کہ وہ اس روز عاشورا کی تعظیم کرتے ہین۔ اور روزہ رکھتے ہین اور صحیح مسلم مین ہے کہ اہل خیبر روز عاشورا روزہ رکھتے اور اوسکو عید بناتے اور اپنی عورتون کو لباس و زیور پہناتے تو اب حدیث مین جو ہذا الیوم ہے تو مراد اوس سے اشارہ ہے طرف نوع یوم کی طرف نہ خاص اوسی روز کے لئے جیسا کہ لاتقربا ہذہ الشجرۃ مین بھی تاویل کی ہے فخر رازی نے اپنی تفسیر مین

اس عبارت نے اچھی طرح بتا دیا کہ کس طرح کا اختلاف ہے کہ کوئی تاویل بنتی نہین اور ان سب کی غرض صرف اسیقدر ہے کہ روز عاشور کو کسی طرح حضرت کا روزہ ثابت کرین جو ایک خیال محال ہے۔

چھٹی حدیث صحیح بخاری کی یہ ہے عن ابن عباس قال ما رایت النبی یتحری صیام یوم فضلہ علی غیرہ الا ہذا الیوم یوم عاشورا وہذا الشہر یعنی شہر رمضان کہ یعنی ابن عباس کہتے ہین کہ مینے رسول اللہ کو کسی روز مین یہ نہین دیکھا جو بروز عاشور قصد کرتے یا روزہ ماہ رمضان مین۔

جس سے معلوم ہوا کہ مثل روزہ ماہ رمضان روزہ عاشورا بھی واجب ہے کیونکہ ابن عباس ان دونون روزونکو ایک شان بیان کرتے ہین جسمین سے روزہ رمضان یقیناً واجب ہے تو روزہ عاشور بھی واجب ہوا۔ حالانکہ کل روایتونکا مطلب یہی ہے کہ اگر بفرض محال روزہ

واجب بھی تھا تو منسوخ ہو چکا یہانتک کہ ابن عمر کبھی روزہ اسروز نہ رکھتے ۔

ابن حجر شرح مین لکھتے ہین هذا یقتضی انّ یوم عاشورا افضل الایام للصائم بعد
رمضان لکن ابن عباس اسند ذلک الی علمہ فلیس فیہ ما یرد علم غیرہ وقد
روی مسلم من حدیث ابی قتادہ مرفوعًا ان صوم عاشورا یکفر سنۃ وان
صیام یوم عرفہ یکفر سنتین وظاہرہ ان صیام یوم عرفہ افضل من صیام
عاشورا وقد قیل فی الحکمۃ فی ذلک ان یوم عاشورا منسوب الی موسیٰ
ویوم عرفہ منسوب الی النبی صلعم فلذلک کان افضل

یعنی اس حدیث کا مقتضی تو یہ ہے کہ روز عاشورا تمامی ایام سے افضل ہو بعد ماہ رمضان ا
اسکا جواب دیتے ہین) لیکن یہان تو ابن عباس نے اپنا علم بیان کیا ہے اس سے یہ نہین لازم آ
کہ دوسرے کا علم باطل ہو کیونکہ صحیح مسلم مین ابو قتادہ سے روایت ہے کہ روزہ عاشورا ایکسال
کے گناہونکا کفارہ ہوتا ہے ۔ اور روزہ عرفہ دو سال کا جس کا ظاہر یہ ہے کہ روزہ عرفہ افضل ہے روز
عاشورا سے ۔ اسکی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ روزہ عاشورا منسوب ہے حضرت موسیٰ کی طر
اور روزہ عرفہ خود حضرت کی طرف لہذا روزہ عرفہ افضل ہوا ۔

اب تو اچھی طرح معلوم ہوا کہ بخاری نے محض ازراہ ناصبیت اس حدیث کو لکھا ورنہ صحیح مس
مین صاف طور پر مذکور ہے کہ روزہ عرفہ گناہان دوسالہ کا کفارہ ہوتا ہے جس سے افضلیت
اسکی بدیہی ہے ۔ تو پھر بخاری کا یہ کہنا کہ عاشورا رمضان کے روزہ کے برابر حضرت کسی روزہ کا ذ
ذکرتے تھے کس درجہ لغو ہے ۔

ساتوین حدیث عن سلمہ بن الاکوع قال امر النبی رجلا من اسلم ان اذن
الناس ان من کان اکل فلیصم بقیۃ یومہ ومن لم یکن اکل فلیصم فان ال
یوم عاشورا

یعنی سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ حضرت نے ایک شخص کو قبیلہ اسلم سے حکم دیا کہ پکار دو لو
مین کہ جس نے کچھ کھا لیا ہو وہ بقیہ یوم روزہ رکھے اور جس نے نہین کھایا ہے وہ روز
کہ آج روز عاشورا ہے ۔

یہ آخری روایت ہے بخاری کی جس نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ روزہ عاشورا واجب ہے کیونکہ اس مین حضرت دیتے ہین کہ جسنے آج کچھ کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے جس نے نہ کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے کہ آج روز عاشورا ہے۔ اس سے بڑھکر حکم وجوب کیا ہو سکتا ہے حالانکہ تیسری حدیث مین صاف طور پر معویہ نے بیان کیا ہے کہ هذا یوم عاشورا ولم یکتب اللّٰہ علیکم صیامہ

یہ روز عاشورا ہے کہ اسکا روزہ خدا نے واجب نہین کیا ہے جسکا جی چاہے روزہ رکھے جسکا جی چاہے نہ رکھے۔ اس حدیث کو اس حدیث سے ملائیے تو نتیجہ معلوم ہو کہ یہان حضرت اس طرح حکم دے رہے ہین کہ جس نے کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے جس نے نہ کھایا ہو وہ بھی روزہ رکھے۔ اس سے بڑھکر کیا تناقض ہو سکتا ہے۔

ابن حجر لکھتے ہین کہ اس حدیث سے لوگون نے اسپر استدلال کیا ہے کہ اگر دنکو وجوب صوم معلوم ہو جائے تو اوسی وقت سے نیت کر لینا چاہیے یہی روزہ کافی ہوگا وقد تقدم البحث فی ذلك والرد علی من ذهب الیه وان عند ابی داؤد وغیره امر من کان اکل ذلك الیوم مع الامر بامساکه یعنی اسکی بحث پہلے گذر چکی ہے۔ اور جو شخص اس کا قائل ہو رد کر دیا گیا ابو داؤد کی روایت ہے کہ اوس روز امساک کرے پھر قضا کرے۔

اس حدیث سے تو معلوم ہوا کہ روزہ عاشورا ہمیشہ واجب رہا کیونکہ شیخ ابن حجر جسکو یہ حکم ندا دیا گیا اونکا نام ہند تھا جو سنہ حدیبیہ مین اسلام لایا اور باب اذا نوی بالنہار صوما مین بھی یہ روایت درج ہے جسکی شرح مین ابن حجر بطریق احمد روایت کرتے ہین مر قومك ان یصوموا هذا الیوم یوم عاشورا

جس سے وجوب اسکا ظاہر ہے حالانکہ ابن حجر لکھتے ہین والذی یترجح من اقوال العلما انه لم یکن فرضا وعلی تقدیر انه کان فرضا فقد نسخ بلا ریب فنسخ حکمه وشرائطه یعنی قول مرجح یہی ہے کہ روزہ عاشورا فرض نہ تھا اور اگر فرض تھا تو منسوخ ہو گیا بلا ریب تو حکم و شرائط اوسکے بھی منسوخ ہو گئے۔

مگر جب سنہ ۶ جنگ حدیبیہ مین حضرت نے یہ حکم دیا تو پھر اسکی منسوخیت کیونکر معلوم ہوئی اس لئے

کہ حکم وجوب اور منسوخیت تو پہلے سال ہجرت سے متعلق تھا اور رجب سنہ ۲ میں حضرت نے یہ حکم دیا تو اسکا ناسخ کون ہوگا بلکہ یہی سب کا ناسخ ہوگا۔

خود فتح الباری میں ہے عن اختہ حفصہ ان النبیؐ قال من لم یبیت الصیام من اللیل فلا صیام لہ ص۲۵۹

یعنی جس نے رات سے نیت روزہ نہ کی اوسکا روزہ ہی نہیں۔ اگر صوم عاشورا کے بارے میں یہ تاکید ہے کہ اگر رات کو نیت نہ کی ہو بلکہ کچھ کھا بھی لیا ہو تو بھی روزہ رکھو۔ اس سے بڑھکر کون واجب ہو سکتا ہے۔

ابن حجر طحاوی سے ناقل ہیں کہ واجبی اور سنتی روزہ کے احکام مختلف ہیں اگر کوئی روزہ ایسا ہو جو روز معین کو واجب ہو مثل روز عاشور تو دن کی نیت بھی کافی ہے اور اگر وہ روزہ معین نہ ہو مثل رمضان کے (اگرچہ خود روزہ ماہ رمضان کے لئے کوئی روز معین نہیں ہے) تو اوس میں نیت رات کو ضروری ہے۔ اور سنتی روزہ میں دن اور رات دونوں نیت ہو سکتی ہے وقد تعقبہ امام الحرمین بانہ کلام غث لا اصل لہ یعنی امام الحرمین نے اسپر یہ تعقب کیا ہے کہ یہ کلام بالکل لغو ہے جسکی کوئی اصلیت نہیں۔

ہمنے کل حدیثیں صحیح بخاری کی مع شرح لکھدی ہے جس سے تمامی اہل فہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ روزہ عاشورا کا حکم کس درجہ خلاف واقع ہے کہ سراسر تہمت کی گئی ہے رسول اللہ صلعم پر کیونکہ ہر حدیث دوسری حدیث کے معارض ہے جس سے ہر شخص بدیہی طور پر یہ حکم لگا سکتا ہے کہ یہ کل وضعی روایتیں ہیں جو محض یزید کی خوشامد میں بنائی گئیں تاکہ روز شہادت امام حسینؑ روز عید قرار پائے کہ روزہ رکھا جائے۔ حالانکہ نہ حضرتؐ نے کبھی اس روز روزہ رکھا نہ اس کا حکم دیا۔ حالانکہ اہلسنت کے یہاں ابھی اسمیں اختلاف ہے کہ روز عاشورا کون روز ہے کیونکہ

فتح الباری میں ہے فیوم عاشوراء ھو العاشر وقیل ھو الیوم التاسع ص۲۱۲

اور عمدۃ القاری میں ہے اختلف الصحابۃ فیہ ھل ھو الیوم التاسع او الیوم العاشر او الیوم الحادی عشر ص۳۴۶ جلد ۵

یعنی صحابہ میں اختلاف ہے کہ یوم عاشورا ۹ محرم ہے یا ۱۰ یا ۱۱ پھر جس مذہب میں روز عاشورا

تحقیق روز عاشورا

بھی معین نہ ہو اوسکا کیا کہنا۔

وصام ابو اسحق عاشورا ثلثۃ ایام یوما قبلہ و یوما بعدہ فی طریق مکۃ ص۳۴۲

یعنی ابو اسحق نے تین روز روزہ رکھا راہ مکہ مین ایک روز قبل ایک روز بعد۔ اس سے بڑھکر کیا یزید کی طرفداری ہوسکتی ہے۔

اب اسپر طرہ سنئے وفی المحیط وکرہ افراد یوم عاشورا بالصوم لاجل التشبہ بالیہود وفی البدایع وکرہ بعضہم افرادہ بالصوم ولم یکرھہ عامتہم لانہ من الایام الفاضلۃ

یعنی بعض لوگون نے مکروہ جانا ہے روزہ عاشورا کو۔ کیونکہ اس سے تشبہ یہود حاصل ہوتا ہے اور بدایع مین ہے کہ بعض نے تنہا اس روز روزہ رکھنا مکروہ سمجھا ہے

حالانکہ جتنی روایتین بخاری کی گذری ہین ادن سب سے حضرت کا روزہ رکھنا محض بغرض تشبہ یہود ظاہر ہے کہ حضرت نے خاص طور پر حکم قرآن کے خلاف محض یہود کی رضا کیلئے اس روز روزہ رکھا۔

اب اس سے بڑھکر کون سی علامت وضع چاہتے ہین کہ خود انہین روایتون سے وضعیت ان احادیث کی نمایان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ عینی صاف طور سے فرماتے ہین والاثار فی ہذا الباب عن ابن عباس مضطربۃ ص۳۴۲

یعنی جتنی روایتین ابن عباس سے اس بارہ مین وارد ہین وہ سب مضطرب ہین جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ساری شرارت راویان احادیث کی ہے جنہون نے اس قسم کا افترا رسول اللہ صلعم پر کیا۔ تو ابن عباس بیچارے کیا چیز ہین۔

اب ہم ان کل روایات پر ایک تنقیدی نظر زاد المعاد ابن القیم سے لکھتے ہین جس سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ سب روایتین کس شان کی ہین۔

زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۶۷ مین پہلے اوس روایت ابن عباس کو لکھا ہے کہ جب حضرت مدینہ مین تشریف لائے تو یہود کو روزہ رکھتے دیکھا اوسپر آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور حکم بھی دیا۔ اس حدیث کو نقل کرکے لکھتے ہین۔

(۱) وقد استشکل بعض الناس هذا وقال انما قدم رسول اللهؐ المدینة فی شهر ربیع الاول فکیف یصح قول ابن عباس انه قدم المدینة فوجد الیهود صائما یوم عاشورا۔ یعنی یہ اشکال کیا گیا ہے کہ حضرت تو ماہ ربیع الاول میں وارد مدینہ ہوئے تو یہ قول ابن عباس کہاں درست رہا کہ حضرت نے یہود کو بروز عاشورا روزہ رکھتے دیکھا (پہلے بھی یہ اعتراض مذکور ہوا۔)

(۲) وفیه اشکال آخر دوسرا اشکال یہ ہے کہ صحیحین سے ثابت ہے عائشہ سے کہ قریش پہلے سے اس روز روزہ رکھتے تھے جب حضرت نے ہجرت کیا تو اس روز عاشورا کو روزہ رکھا جب رمضان کا روزہ واجب ہوا تو حضرت نے فرمایا جسکا جی چاہے روزہ رکھے جسکا جی چاہے نہ رکھے (تو یہ حدیث پہلی حدیث کے معارض ہوئی)

(۳) واشکال اٰخر وهو ما ثبت فی الصحیحین ان الاشعث بن القیس دخل علی عبد الله بن مسعود وهو یتغدی فقال یا ابا محمد ادن الی الغداء فقال اولیس الیوم یوم عاشوراء فقال وهل تدری ما یوم عاشورا وقال وما هو قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یصومه قبل ان ینزل صوم رمضان فلما نزل رمضان ترکه وقد روی مسلم فی صحیحه عن ابن عباس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم حین صام یوم عاشوراء وامر بصیامه قالوا یا رسول الله انه یوم یعظمه الیهود والنصاری فقال رسول اللهؐ صلی الله

یعنی تیسرا اشکال یہ ہے کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ اشعث بن قیس داخل ہوا ابن مسعود پر وہ صبح کا کھانا کھا رہے تھے اشعث بن قیس کو اونھوں نے بلایا۔ تو اشعث نے کہا آج کیا روز عاشورا نہیں ہے۔ ابن مسعود نے کہا کچھ تجھے معلوم ہے کہ روز عاشورا کیا ہے کہا کیا ہے۔ کہا ابن مسعود نے کہ رسول اللہؐ اس روز روزہ رکھتے تھے قبل نزول حکم صوم رمضان۔ جب حکم روزہ رمضان نازل ہوا تو حضرت نے اس روزہ عاشورا کو ترک کر دیا۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب حضرت نے بروز عاشورا روزہ رکھا تو لوگوں نے کہا اس روز کی تعظیم کرتے ہیں یہود و نصاری تو حضرت

عليه وسلم اذا كان العام المقبل ان شاء الله صمنا اليوم التاسع فلم يأت العام المقبل حتى توفى رسول الله صلى الله عليه وسلم فهذا فيه ان صومه والامر بصيامه قبل وفاته بعامه وحديثه المتقدم فيه ان ذلك كان عند مقدمه المدينة ثم ان بن مسعود اخبر ان يوم عاشوراء ترك برمضان وهذا يخالفه حديث ابن عباس المذكور ولا يمكن ان يقال ترك فرضه لانه لم يفرض لما ثبت في الصحيحين عن معاويه بن ابوسفيان سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول هذا يوم عاشوراء ولم يكتب الله عليكم صيامه وانا صائم فمن شاء فليصم ومن شاء فليفطر ومعاوية انما سمع هذا بعد الفتح قطعاً

نے فرمایا جب سال آئندہ ہوگا تو انشاء اللہ ہم نوین کو بھی روزہ رکھینگے گر حضرت نے قبل آنے دوسرے سال کے انتقال فرمایا۔

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت نے جس سال انتقال فرمایا اوسکے قبل حکم دیا روزہ کا حالانکہ پہلی حدیث مین یہ ہے کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تھے تب روزہ رکھا اور حکم دیا پھر حدیث ابن مسعود سے معلوم ہوا کہ حضرت نے بعد نزول حکم صوم رمضان صوم عاشورا کو ترک کر دیا تھا۔ اور حدیث ابن عباس اس کے مخالف ہو کہ ایک سال قبل وفات آپ یہ روزہ رکھتے تھے۔

اور یہ کوئی نہین کہہ سکتا کہ حضرت نے ترک فرض کیا ہو کیونکہ حدیث معویہ سے معلوم ہوا کہ یہ روزہ فرض نہ تھا اور معویہ نے اس کو بعد فتح مکہ شہ مین سنا تھا۔

(۴) اشکال یہ ہے کہ روایت صحیح مسلم مین ہے ابن عباس سے کہ جب کسی نے کہا یہود اس روز کی تعظیم کرتے ہین تو حضرت نے فرمایا آئندہ سال ہم نوین کو بھی روزہ رکھینگے گر حضرت اوس وقت تک زندہ نہ رہے۔ پھر اوسی مسلم مین حکم بن اعرج سے روایت ہے کہ ابن عباس سے مینے صوم عاشورا کو پوچھا تو اونہون نے کہا جب ماہ محرم کا چاند دیکھو تو نو تاریخ تک گنو۔ نوین کو روزہ رکھو۔ حکم بن اعرج نے کہا کیا رسول اللہ اسی طرح روزہ رکھتے تھے تو کہا ہان (مطلب یہ ہے کہ جب حضرت نے کبھی نوین کو روزہ ہی نہ رکھا کیونکہ آپ نے سال آئندہ کا وعدہ کیا تھا جسکے قبل

انتقال فرمایا۔ تو پھر ابن عباس کا یہ کہنا کہ حضرت نوین کو روزہ رکھتے تھے کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

(۵) اشکال یہ ہو کہ اگر یہ روزہ واجب تھا اور فرض اول اسلام مین تو پھر آپنے اسکے قضا کا کیون نہ حکم دیا اون لوگون کو جنہون شب سے نیت نہ کی تھی۔ اور اگر فرض نہ تھا تو پھر امساک کا کیسے حکم دیا اون لوگون کو جو کھا چکے تھے جیسا کہ مسند و سنن مین ہے۔ یہ حکم تو واجب مین ہوتا ہے نہ مستحب مین۔ پھر ابن مسعود کا یہ قول کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ جب رمضان کا حکم دیا تو حضرت نے صوم عاشورا کو ترک کردیا اور استحباب اوس کا نہ ترک ہوا۔

(۶) کہ ابن عباس تو عاشورا ۹ کو قرار دیتے ہین اور خبر دیتے ہین کہ حضرت اسی تاریخ کو روزہ رکھتے تھے۔ حالانکہ وہی ابن عباس روایت کرتے ہین کہ حضرت نے فرمایا عاشورا کا روزہ رکھو اور یہود کا خلاف کرو ایک روز قبل روزہ رکھو اور ایک روز بعد حالانکہ وہی ابن عباس روایت کرتے ہین کہ ہمکو رسول اللہ ص نے روزہ عاشورا کا حکم دیا جو دسوان روز ہے جیسا کہ ترمذی نے ذکر کیا ہے ص ۱۶۹ زاد المعاد جلد اول

اگرچہ یہ خرابیان پہلے ہی بیان ہو چکی ہین مگر چونکہ ابن القیم نے سبکو ایک جگہ جمع کیا ہے اسلئے ہمنے بھی لکھدیا تاکہ معلوم ہو کہ خون ناحق امام حسینؑ ایسا ہلکا نہین ہے کہ چھپ سکے کیونکہ قاتلان امام نے اگرچہ اس قسم کی ہزارون وضعی حدیثین بنائین۔ یہانتک کہ اونکو یہ درجہ دیا گیا کہ صرف صحیحین مین درج کی گئین جنکا درجہ بعد کتاب الباری کے ہے۔ بلکہ تمامی صحاح ستہ مین اون سے زینت دی گئی ہے۔ جسکی غرض یہ ہے کہ اہل اسلام بلا کسی تنقیح و تفتیش کے قبول کر لین۔

مگر خدا نے ان واضعین حدیث مین اسدرجہ اختلاف ڈال دیا کہ ایک معمولی عقل والا آدمی بھی ان احادیث کو جب دیکھیگا تو سمجھ جائیگا کہ یہ محض وضعی حدیثین ہین جنمین کسی طرح توافق نہین ہو سکتا اسی لیے ابن القیم کے جوابونکو ہمنے نہ لکھا کیونکہ اونکا جواب اور رد جواب الجواب فتح الباری کی عبارات مین آچکا ہے لہذا زیادہ لکھنا موجب تضییع اوقات ہے کیونکہ کل جوابات اونکے آچکے ہین۔

ص ۱۷۱ کیونکہ خود ہی لکھتے ہین وان لم یسلک هذا المسلک تناقضت الاحادیث واضطربت یعنی اگر اس طرح تاویل نہ کی جائے تو حدیثوں کا تناقض اور اضطراب لازم آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر تاویل نہ کی جائے تو حدیث مین تناقض و اضطراب لازم آتا ہے پھر کاہے یہ حدیثین کیسے

[illegible] واخبران رسول اللہ ص کان یصومہ کذلک فاما ان یکون فعل ذلک ھو الاولی واما ان یکون حمل فعلہ علی الامر بہ و عزمہ علیہ فی المستقبل ویدل علی ذلک انہ ھو الذی روی صومہ یوما قبلہ و یوما بعدہ ز ۲ ص ۲۲

یعنی ابن عباس نے جو یہ خبر دیا کہ حضرت نوین کو روزہ رکھتے تھے تو یا مراد ہو کہ ایسا کرنا بہتر ہے۔ یا یہ کہ چونکہ حضرت نے اسکا ارادہ کیا تھا کہ آیندہ سال ایسا کرینگے لہذا ابن عباس نے اوسکو حضرت کا فعل قرار دیا جسکی دلیل یہ ہو کہ اونہین سے روایت ہو کہ ایک روز قبل روزہ رکھو ایک روز بعد۔

یہ ہے تحقیق ابن القیم جسپر تمامی وہابیون کو ناز ہو حالانکہ اعتراض یہ تھا کہ ابن عباس نوین کو عاشورا بناتے ہین اور خبر دیتے ہین کہ رسول اللہ ص اوس روز روزہ رکھتے تھے۔ حالانکہ خود ہی روایت کرتے ہین کہ حضرت نے فرمایا اگر زندہ رہے تو آیندہ سال ہم کو بھی روزہ رکھینگے جس سے معلوم ہوا کہ ابھی رکھا نہین تھا۔ مگر ابن عباس نے کہدیا کہ حضرت یونہی روزہ رکھتے تھے۔ تو پھر وہ اعتراض کیونکر دفع ہوا۔

غرض جسکو خدا نے کچھ بھی فہم دیا ہو وہ ان روایات سے بدیہی طور پر یہ نتیجہ نکال سکتا ہو کہ جتنی حدیثین اس بارہ مین ہین وہ سب موضوع ہین کیونکہ پہلا بیان یہ ہو کہ حضرت زمانہ جاہلیت مین بھی تقلید اہل جاہلیت روزہ رکھتے تھے جسکو کوئی مسلمان نہین باور کر سکتا کہ حضرت نے کبھی بھی تقلید اہل جاہلیت کی ہو۔

دوسرا بیان یہ ہو کہ جب آپ مدینہ آئے اور یہود کو روزہ رکھتے دیکھا تو اون کی تقلید مین آپنے روزہ رکھنا شروع کیا جو سراسر احکام صریحہ قرآن کے خلاف ہو۔ پھر آپ تو ربیع الاول مین آئے اوس مہینہ مین عاشورا کہاں تھا جو کسیکو روزہ رکھتے دیکھتے۔

تیسرا بیان یہ ہو کہ اوسی سال روزہ ماہ رمضان سے منسوخ بھی ہو گیا تو جب منسوخ ہو گیا پھر کیونکر ممکن ہو کہ حضرت حکم منسوخ پر عمل کرین۔ چوتھا بیان یہ ہو کہ کبھی بھی یہ روزہ فرض ہی نہوا۔ **پانچوان بیان** یہ ہو کہ حضرت نے پھر کبھی یہ روزہ رکھا ہی نہین جیسا کہ ابن مسعود کی حدیث ہے فلما نزل ترک چھٹا یہ بیان ہو کہ حضرت کو اس روزہ مین اسقدر اہتمام تھا کہ حکم دیا

جس نے دن کو کچھ کھا بھی لیا ہے وہ بھی روزہ رکھے حالانکہ اسی صحیح بخاری مین یہ روایت موجود ہے کہ جسنے شب کو نیت نہ کی ہو اوسکا روزہ ہی نہین **چھٹا بیان** یہ ہے کہ حضرت نے فرمایا اگر زندہ رہے تو سال آیندہ نہم کو بھی روزہ رکھینگے مگر افسوس آپنے قبل آنے سال کے انتقال کیا۔ لیکن ابن عباس نے یہ خبر دیدی کہ ہمیشہ حضرت اس روز کو روزہ رکھتے تھے۔

تو پھر کس عاقل کو شبہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ جناب سید الشہدا روحی لہ الفدا اس روز شہید ہوئے لہذا **خوشامد یزید** مین یہ حدیثین وضع کی گئین کہ اوس روز روزہ رکھنا سنت ہے۔ حالانکہ محض افترا ہے کیونکہ اگر ہم فرض کرلین کہ حضرت کو روز شہادت امام حسینؑ بھی نہ معلوم تھا تو بھی یہ کیونکر ممکن تھا کہ حضرت بلا حکم خدا یہود کی تقلید کرتے۔ کیونکہ سبکو معلوم اسلام مین یا قبل از اسلام کوئی امر ایسا بروز عاشورا نہین ہوا تھا جس سے اوسکی خصوصیت نمایان ہو بجز اسکے کہ روایات اہلسنت سے نجات حضرت موسی اس تاریخ کو ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ توراۃ سے اسکے خلاف ظاہر ہے کیونکہ وہ روز غم قرار دیا گیا ہے تو بالفرض اگر حضرت موسیٰؑ کو نجات بھی ملی ہو تو اوسکا اثر اسلام پر کیا پڑتا تھا جسکے لیے یہ اہتمام کیا جاتا۔

دلائل وضعیت حدیث

لہذا معلوم ہوا کہ یہ سب وضعیات یہودان اسلام سے ہے کہ محض قاتلان امام حسینؑ کی ہوا خواہی مین یہ حدیثین بنائی گئین اور درج صحیحین بلکہ صحاح ستہ کی گئین۔ جسکی سب سے دلیل واضح یہ ہے۔

(۱) عاشورا اسلامی نام ہے چنانچہ سابقاً مذکور ہوا انہ اسم اسلامی ص۲۱۲ فتح الباری جلد ۴ عینی مین ہے وفی الجمہرۃ ہو اسم اسلامی لا یعرف فی الجاہلیۃ لانہ لا یعرف فی کلامہم فاعولا ورد علی ہذا بان الشارع نطق بہ وکذلک الصحابۃ قالوا بان عاشورا کان یسمی فی الجاہلیۃ ولا یعرف الا بہذا الاسم ص۲۴۲

یعنی جمہرہ مین ہے کہ یہ اسلامی نام ہے جو اہل جاہلیۃ مین نہین معلوم تھا۔ اسکا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مگر حدیثون مین یہ نام آیا ہے۔ جسکا جواب ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ اس سے وہ اعتراض نہین رفع ہوتا۔ (خصوصاً جبکہ سب کی موضوعیت نمایان ہے) تو جب اسلامی نام ہوا تو ضرور ہے کہ اسکی ابتدا شہادت امام کے بعد سے ہو۔

(۲) یہ کہ اسمین اختلاف ہے عاشورا ۹ - ۱۰ - ۱۱ کون سی تاریخ ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ سب بعد کو وضع ہوا اصل مین قاتلان امام حسینؑ روزہ عاشور کو رکھتے تھے ادھر ترقی کی گئی تو تین روز روزہ رکھا گیا جیسا کہ عینی مین ہے صام ابو اسحق عاشورا ثلاثة ایام یوما قبلہ ویوما بعدہ فی طریق مکہ کہ ابو اسحق نے تین روز روزہ رکھا راہ مکہ مین ۹ - ۱۰ - ۱۱ - حالانکہ ماہ رمضان کا روزہ حالت سفر مین قصر ہو جاتا ہے - لیکن یہ روزہ عاشورا کا ایسا واجب تھا کہ سفر مین بھی نہ ترک ہو سکا حالانکہ ابن شہاب زہری جو یہ روزہ رکھتا وہ مشہور ناصبی ہے جس سے صحیحین بھری ہوئی ہین - اسی طرح ابو اسحق جتنے ہین وہ سب مجاہیل ہین - ملاحظہ ہو میزان الاعتدال ص۲۳ تو پھر اسمین کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ سب افعال از راہ ناصبیت کیے گئے -

(۳) یہ کہ محیط و بدایع مین کراہت اس روزہ کی مذکور ہے تو اگر یہ حدیثین وضعی نہین ہین تو پھر کراہت کے کیون قائل ہوئے -

(۴) یہ کہ فضائل صوم عاشورا مین بیان کیا گیا ہے من صام عاشورا فکانما صام الدھر کلہ وقام لیلہ وفی اخری من صام یحتسب لہ بالف سنة من سنی الاخرة ص۳۴۲ عینی جلد ۵ یعنی جو شخص روزہ رکھے عاشور کو اوس نے گویا روزہ رکھا تمام عمر اور قیام کیا تمام شب - اور دوسری روایت مین ہے کہ اوسکے روزہ کا حساب ہزار برس کا ہوگا مطابق سنہ آخرت جو ایک روز پانچ ہزار برس یا دس ہزار برس کا ہوتا ہے -

حالانکہ اصول مقررہ اہلسنت سے ہے کہ جس کام کا ثواب زیادہ بیان کیا جائے وہ حدیث وضعی ہے

(۵) یہ کہ عینی مین ہے ومن اعجب ما روی فیہ ان رسول اللہؐ قال فی الصرد انہ اول طائر صام عاشورا وھذا من قلة الفھم فان الطائر لا یوصف بالصوم قال الحاکم وضعہ قتلة الحسینؑ قلت اطلاق الصوم للطائر لیس بوجہ الصوم الشرعی حتی تنسب قائلہ الی قلة الفھم وانما غرضہ ان الطائر ایضا یمسک عن الاکل یوم عاشوراء تعظیما لہ وذلک بالھام من اللہ تعـ فیدل علی فضلہ بھذا الوجہ ص۳۲۸ یعنی سب سے عجیب یہ روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے صرد (نام طائر) کے بارہ مین فرمایا یہ پہلا طائر ہے جس نے بروز عاشورا روزہ رکھا - یہ قول بوجہ قلت فہم ہے کیونکہ طائر کو نہین کہہ سکتے کہ وہ روزہ رکھتا ہے -

امام حاکم لکھتے ہیں کہ اس حدیث کو قاتلان امام حسینؓ نے وضع کیا۔ خود علامہ عینی فرماتے ہیں کہ طائر کا صوم بوجہ شرعی نہیں ہوتا جس سے قلت فہم کا الزام دیا جائے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ وہ طائر بھی اوس روز بوجہ تعظیم روز عاشورا امساک کرتا ہے کھانے سے بالہام خدا تو اس سے فضیلت اس روز کی نمایاں ہوئی۔

دیکھئے اب اس سے بڑھکر کیا دلیل وضعیت ہو سکتی ہے کہ امام حاکم نے بصراحت تمام اقرار کیا کہ اس حدیث کو قاتلان امام حسینؓ نے وضع کیا بلکہ کیا حق ایمانداری ادا کیا ہے عینی نے کہ کہا یہ روزہ بوجہ شرعی نہیں ہے۔ بلکہ وہ کھانے پینے سے باز رہتا ہے بالہام الہی جس سے اس روز کی افضلیت نمایاں ہوئی۔

فوائد مجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ امام شوکانی میں ہے صـ۳۲

حدیث من صام یوم عاشورا اعطی ثواب عشرۃ الاف ملك الخ ذکرہ فی اللآلی مطولا عن ابن عباس مرفوعًا وهو موضوع حدیث ان الله افرض علی بنی اسرائیل صوم یوم فی السنة وهو یوم عاشورا وهو الیوم العاشر من المحرم فصوموه ووسعوا علی اهلیکم فانه الیوم الذی تاب الله علی آدم رواه ابن ناصر عن ابی هریرة مرفوعًا وساقه فی اللآلی مطولا وفیه من الکذب علی الله ورسوله ما یقشعر له الجلد فلعن الله الکذابین وهو موضوع بلاشك حدیث ان النبی قال ان الصرد اول طیر صام عاشورا رواه الخطیب عن ابی غلیظ مرفوعًا ولا یعرف فی الصحابة من له هذا الاثر وفی اسناده عبد الله بن معویه منکر الحدیث ورواه الحکیم الترمذی عن ابی علیه عن ابی هریرة قال الصرد اول طیر صام۔ ورواه ابو نعیم فی الحلیة عن قیس بن عباد قال کانت الوحوش تصوم یوم عاشورا۔ حدیث من اکتحل بالاثمد یوم عاشورا لم یرمد ابدا رواه الحاکم عن ابن عباس مرفوعا وفی اسناده جویبر قال الحاکم انا ابرء الی الله من عهدة جویبر قال فی اللآلی اخرجه البیهقی فی الشعب وقال اسناده ضعیف بمرة۔ ورواه ابن النجار فی تاریخه من حدیث ابی هریرة

وفی اسناده اسمٰعیل بن معمر بن قیس قال فی المیزان لیس بثقه حدیث من وسع علی عیاله یوم عاشورا وسع الله علیه سائر سنته رواه الطبرانی عن انس مرفوعا وفی اسناده الهیصم بن شداخ مجهول ورواه العقیلی عن ابی هریره قال سلیمان بن عبد الله مجهول والحدیث غیر محفوظ قال فی اللآلی قال الحافظ ابو الفضل الشعرانی فی اٰمالیه قد ورد من حدیث ابی هریرة من طرق صحح بعضها ابو الفضل بن ناصر وضعفها ابن الجوزی فی الموضوعات وابن تیمیه فی د ۸ فحکم بوضع الحدیث من تلک الطرق قال والحق ما قالا اھ ص ۳۴

یعنی یہ حدیث کہ جو شخص بروز عاشورا روزہ رکھے اوسکو دس ہزار فرشتون کا ثواب ملیگا اسکو سیوطی نے لآلی مصنوعہ مین نہایت طول سے لکھا ہے بروایت ابن عباس مگر یہ حدیث موضوع ہے۔

(۲) حدیث خدا نے فرض کیا ایکروز کا روزہ بنی اسرائیل پر سال بھر مین وہ روز عاشورا ہے دسوین محرم کی پس تم لوگ بھی روزہ رکھو اور وسعت دو اپنی عیال پر کہ خدا نے اس روز توبہ حضرت آدم قبول کیا۔ راوی اسکا ناصر ہے ابوہریرہ سے مرفوعا۔ لآلی مصنوعہ مین یہ حدیث طولانی مذکور ہے۔ اس حدیث مین افترا کیا ہے خدا اور رسول پر کہ جان کانپ جاتی ہے پس خدا لعنت کرے وضاعین کذابین پر کہ یہ حدیث بلا شک موضوع ہے۔

(اس سے آپ کو صحیح بخاری کی کل احادیث کی موضوعیت بخوبی معلوم ہوگی کیونکہ سب کا منشا یہی ہے کہ یہ روزہ بنی اسرائیل پر واجب تہا وہ رکھتے تھے حالانکہ اصلی توراۃ کی عبارت ہمنے پیش کردی ہے کہ کہین اوس مین روزہ کا حکم نہین ہے بلکہ غم کرنے کا حکم ہے جس سے اس روز کا روز غم ہونا زمانہ حضرت موسیٰ سے بدیہی طور پر معلوم ہوا اگر ایمان دار ، اہل سنت ملاحظہ ہو کہ اونہون نے توراۃ مین بھی تحریف کیا اور اس روز کو روز عید بنایا اور روزہ اس کا واجب یا مستحب قرار دیا)

حدیث یہ ہی کہ حضرت نے فرمایا صرد پہلا طاہر ہے جسنے روزہ رکھا اسکو خطیب نے اپنی تاریخ مین مرفوعا روایت کیا ہے حالانکہ صحابہ مین کوئی شخص ایسا معلوم نہین ہوتا ہے جو اس کا راوی

اور اس حدیث کے رواۃ مین عبد اللہ بن عمرو ہے جو منکر الحدیث ہے۔

اس روایت کو حکیم ترمذی نے ابی علیہ سے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ صرد اول روزہ رکھا ہے ابونعیم نے حلیہ مین جبیر بن عمادہ سے روایت کیا ہے کہ وحوش بھی روزہ رکھتے تھے بروز عاشورا۔

(صحیح بخاری مین بندر بندریا کی زناکاری اور سنگساری کی بھی کہانی موجود ہے مگر افسوس اس حدیث کو بخاری نے نہین لکھا۔)

حدیث سرمہ بروز عاشورا یہ ہے کہ جو شخص اس روز سرمہ لگائے اوسکی انکھ خوش نہ کرے اسکو حاکم نے ابن عباس سے بذریعہ جویبر روایت کیا ہے اور کہا ہے۔ خدا پناہ دے ہم کو عہدہ جویبر سے۔ کہا لآلی مین کہ اسکو هق نے شعب الایمان مین روایت کیا ہے اور کہا اسناد اس کے ضعیف ہین۔ ابن النجار نے بھی اپنی تاریخ مین ابوہریرہ سے روایت کیا ہے جس کے اسناد مین اسمعیل بن معمر ہے جو بقول میزان غیر موثق ہے

حدیث۔ جو شخص وسعت دے اپنی عیال پر بروز عاشورا تو خدا سال بھر اوسکو وسعت دیگا طبرانی نے انس سے روایت کیا ہے مرفوعا۔ اس کے اسناد مین ہیصم بن شداخ مجہول ہے عقیلی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہا سلیمان نے عبد اللہ مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ۔ لآلی مصنوعہ مین کہا ابو الفضل نے یہ حدیث کئی طرق سے وارد ہے کہ بعض طرق سے صحیح ہے مگر اسپر تعقب کیا ہے ابن الجوزی نے موضوعات مین اور ابن تیمیہ نے اپنے فتوی مین دونون نے حکم بہ وضع کیا ہے اس طرق سے ا کہا کہ حق یہی ہے جو ان دونون نے کہا۔

یہ ہین سررشتیان اہل سنت نہین بلکہ اہل حدیث کی جنہون نے روح یزید کے خوش کرنے کا کیا کیا سامان کیا ہے کیسی کیسی حدیثین بنائی ہین اور کیسے کیسے علماء نے ان حدیثون کو اپنے مقدس کتابون مین درج کیا ہے پھر ہمین کے ان روایات کی موجودگی مین کیا شک رہ سکتا ہے

جس مین اونہون نے رسول اللہ پر بروز عاشورا کے صوم کا انجام دیا

تو طایر و وحوش کو بھی اس روز روزہ دار بناتے ہین۔ کیا خوب کہا ہے شاعر نے ؎

یک حسینے نیست کوگردد شہید ٭ ورنہ بسیار اند در عالم یزید

غضب خدا کا فرزند رسول تو اس ظلم و ستم سے شہید کیا جاے اور علماے اہل سنت اوس روز جشن عید منانے کیلئے یہ اہتمام کرین کہ ایسے ایسے وضعی حدیثین بنا بین جس پر بہ قول امام شوکانی بے اختیار لعنت اللہ علی الکاذبین زبان سے نکل آے۔

وجوہ فضیلت عاشورا

جس واضع نے صرف قبول توبہ حضرت آدم کو بروز عاشورا بنایا ہے اوس کو شاید یہ نہ معلوم تھا کہ عینی نے تو دس پیغمبرون کا نام لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہین الیوم الثالث لم سمی الیوم العاشر عاشورا اختلفوا فیہ فقیل لانہ عاشر المحرم وھذا ظاہر وقیل لان اللہ تعالی اکرم فیہ عشرۃ من الانبیاء بعشر کرامات الاول موسی ع فانہ نصر فیہ وفلق البحر لہ وغرق فرعون وجنودہ الثانی نوح ع استوت سفینتہ علی الجودی الثالث یونس انجی فیہ من بطن الحوت الرابع فیہ تاب اللہ علی آدم قالہ عکرمۃ الخامس یوسف علیہ السلام فانہ اخرج من الجب فیہ السادس عیسی فانہ ولد فیہ وفیہ رفع السابع داؤد علیہ السلام فیہ تاب اللہ علیہ الثامن ابراہیم ولد فیہ التاسع یعقوب علیہ السلام فیہ رد بصرہ العاشر نبینا محمد ص فیہ غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر ھکذا ذکروا عشرۃ من الانبیاء وقلت ذکر بعضھم من العشرۃ ادریس فانہ رفع الی مکان من السماء وایوب فیہ کشف اللہ ضرہ وسلیمان فیہ اعطی الملک ص۴۷ ج۳

یعنے عاشورا کے نام مین اختلاف ہے کیون یہ نام رکھا گیا بعض لوگون نے کہا چونکہ وہ دسوین محرم ہے اس لئے عاشورا ہوا جو ظاہر ہے دوسرے یہ کہا گیا ہے کہ خدا نے چونکہ دس نبیون کو دس کرامتون سے مخصوص کیا ہے لہذا یہ عاشورا ہوا (۱) حضرت موسی کو فرعون سے نجات ملی اور وہ غرق ہوا (۲) نوح ع کی کشتی کوہ جودی پر ٹھہری (۳) حضرت یونس کو نجات ملی شکم ماہی سے (۴) حضرت آدم کا توبہ قبول کیا گیا

قایل اس کا عکرمہ (خارجی ہے) ۵۔ حضرت یوسف چاہ سے نکالے گئے (۶) عیسیٰ اسی روز پیدا ہوے اور اسی روز اوٹھائے گئے (۷) حضرت داود کا توبہ قبول ہوا (۸) حضرت ابراہیم اسی روز پیدا ہوے (۹) حضرت یعقوب کی بینائی لوٹ آئی (۱۰) حضرت محمد صلعم کی گناہان آیندہ و گزشتہ کو خدا نے بخشدیا۔ عینی کہتے ہین بعض نے اس عشرہ مین (۱۱) حضرت ادریس کو بھی ذکر کیا ہے (جو آسمان کی طرف بلند کئے گئے (۱۲) حضرت ایوب کی بیماری دفع ہوی (۱۳) حضرت سلیمان کو ملک ملا۔

غرض صرف اس وجہ سے کہ یزید کو اس روز فتح ملی اور امام حسین قتل کئے گئے یہ روز ایسا متبرک ہے کہ تمامی انبیا کو جو کچھ نعمت ملی یا اون کی بلا دفع ہوی وہ سب اسی روز۔ پھر اس سے بڑھ کر کون سا روز متبرک اور قابل عید ہو سکتا ہے۔

مگر کلام شوکانی سے آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ کتنی روایتین وضعی اس مین بنائی گئی ہین بعض توبہ حضرت آدم کی روایت تو بالخصوص وضعی ہے لہذا مزید تحقیقات کی ضرورت نہین کیونکہ اہل سنت نے اسی روز کے لئے خاص طور پر دعائین بھی تصنیف کی ہین جنہین المنصب و افعات کو ذکر کیا ہے اور چلتے بھی بنائے جس سے کمال درجہ کی محبت اون کی ظاہر ہے۔ کہ وہ اس روز عاشور کو کیسا متبرک سمجھتے ہین کہ اسمین سب دعائین اون کی معاذ اللہ قبول ہوتی ہین۔

آخر مین ہم مولوی صاحب فرنگی محلی کی عبارت درج کرتے ہین تاکہ یہ رسالہ جس طرح اہل حدیث کے لیے حجت ہوگا حنفیون کے لئے بھی کہ مولوی عبدالحی صاحب کی تصنیف ہے چنانچہ مولوی صاحب ممدوح آثار مرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ مین لکھتے ہین صفحہ ۳۲

فایدہ مفیدہ قد وجدت فی کتب الاوراد والوظائف احادیث فی اعمال خاصة یوم عاشوراء اکثرها موضوعة ولا بأس فی تفصیلها فانها مما یکثر السوال عنه مع تنقیح ما هی موضوعة وما لیست بموضوعة

یعنے فایدہ مفیدہ۔ بعض کتب اوراد و وظائف مین چند حدیثین خاص اعمال روز عاشورا مین ہین مگر اکثر اون کی موضوع ہین اور چونکہ اس بارے مین اکثر سوال ہوتا ہے تفصیل مین مضایقہ نہین پس جاننا

فاعلم ان احادیث الصلوة المخصوصة فی یوم عاشوراء وما ذکرها بعض المشایخ فی دفاترهم کلها موضوعة

کہ جتنی حدیثیں نماز مخصوص عاشورا کے بارے میں وارد ہیں بعض مشایخ نے اپنے دفاتر میں لکھا ہے موضوع ہیں

اس لیے معلوم ہوا کہ حضرات اہل سنت نے بمزید سرپرستی یزید خاص روز عاشورا کے لئے صرف روزہ کی حدیثیں نہیں بنائی ہیں بلکہ نماز اور بہت سے اعمال ترتیب دئے ہیں کہ روح یزید خوش اور شادمان ہو۔ خدا ان سے سمجھے۔

پھر اون احادیث کو جو صحاح ستہ وغیرہ میں ہیں دربارہ روز عاشورا لکھتے ہیں۔ صفحہ ۲۲۳

واما الموضوع من الاخبار الواردة فی فضل صیام عاشوراء وفضل ذلک الیوم فمنها حدیث ابن عباس مرفوعا من صام یوم عاشوراء کتب الله له عبادة ستین سنة بصیامها وقیامها ومن صام یوم عاشوراء اعطی ثواب عشرة آلاف ملک ومن صام یوم عاشوراء اعطی ثواب عشرة آلاف شهید ومن صام یوم عاشوراء کتب الله له اجر سبع سموات ومن افطر عنده مومن فی یوم عاشوراء فکانما اطعم جمیع فقراء امة محمد واشبع بطونهم ومن مسح علی راس یتیم رفعت له بکل شعرة علی راسه درجة فی الجنة فقال عمر یا رسول الله لقد فضلنا الله یوم عاشوراء قال نعم خلق الله السموات یوم عاشوراء والا

یعنے رہی وہ حدیثیں جو اس بارہ میں وضعی ہیں وہ حسب ذیل ہیں (۱) حدیث ابن عباس کہ روزہ عاشورا پر ساٹھ برس کے صیام و قیام کا ثواب ملیگا (۲) جو شخص روزہ رکھے اوسکو دس ہزار فرشتہ ۱۰ ہزار شہید ساتوں آسمان کا اجر لکھا جاے گا اور جو اس روز افطار کراے کسی مومن کو تو گویا اوسنے جمیع فقرا امت محمد کو اطعام کیا اور اونکی شکم کو بھر دیا اور جو شخص کسی یتیم کے سر پر مسح کرے تو ہر بال کے عوض میں اوسکا درجہ بلند ہوگا جنت میں عمر نے کہا یا حضرت خدا نے ہمکو بڑی فضیلت دی بوجہ عاشورا تو حضرت نے فرمایا خدا نے اس روز نو آسمانوں کو پیدا کیا

کمثله وخلق القلم یوم عاشوراء واللوح مثله
وخلق جبرئیل یوم عاشوراء وملائکته
یوم عاشوراء وخلق آدم یوم عاشوراء و
غفر ذنب داود یوم عاشوراء واعطی
سلیمان یوم عاشوراء وولد النبی صلی الله
علیه وسلم یوم عاشوراء واستوی الرب
علی العرش یوم عاشوراء ویوم القیامة یوم
عاشوراء اخرجه ابن الجوزی بسند فیه
حبیب ابن حبیب وقال موضوع آفته حبیب
انتهی واقره علیه السیوطی وابن عراق و
الحافظ ابن حجر وغیرهم وفی میزان الاعتدال
للذهبی حبیب ابن ابی حبیب الخرططی المروزی
عن ابراهیم الصائغ وغیره کان یضع الحدیث
قاله ابن حبان وغیره روی محمد بن قهزاد
عن حبیب عن ابراهیم عن میمون بن مهران
عن ابن عباس مرفوعا من صام یوم عاشوراء
کتب الله له عبادة سبعین سنة واعطی
ثواب عشرة آلاف ملک وثواب سبع سموات
ومن افطر عنده مؤمن یوم عاشوراء فکانما
افطر عنده جمیع امة محمد ومن اشبع جائعا
فی یوم عاشوراء فکانما اطعم جمیع فقراء الامة
ومن مسح راس یتیم یوم عاشوراء رفعت له
بکل شعرة درجة فی الجنة وذکر حدیثا طویلا

اور زمین کو۔ لوح و قلم جبرئیل اور
ملائکہ سب بروز عاشورا پیدا ہو
حضرت آدم کی پیدایش اور غفران
ذنب داؤد سب بروز عاشورا
ہوا۔ رسول اللہ بھی بروز عاشورا
متولد ہوئے اور خدا نے عرش
پر عاشورہی کو جلوس اور قیامت
بھی بروز عاشورا ہوگی۔
ابن الجوزی نے اس کو بسند حبیب
ابن حبیب روایت کیا ہے اور کہا
ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے
آفت اس کی حبیب ابن حبیب
سے ہے۔ سیوطی۔ ابن عراق
حافظ ابن حجر نے بھی اس کا اقرار
کیا ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے
کہ حبیب ابن حبیب خرططی مروزی
ابراہیم صائغ وغیرہ سے روایت
کرتا ہے اور حدیث بناتا ہے ابن
حبان وغیرہ نے بھی لکھا ہے
محمد بن قہزاد نے حبیب سے اور
ابراہیم سے میمون بن مہران
سے ابن عباس سے ایک طولانی
روایت کی ہے جو اصل عبارت

موضوعا وفيه ان الله خلق العرش يوم عاشوراء والكرسي يوم عاشوراء والقلم يوم عاشوراء وخلق الجنة يوم عاشوراء واسكن آدم الجنة يوم عاشوراء الى ان قال وولد النبي صلى الله عليه وسلم يوم عاشوراء واستوى الله على العرش يوم عاشوراء ويوم القيامة يوم عاشوراء فانظر الى هذه الافك انتهى۔ پھر لکھتے ہین وأما هذه الاحاديث الطول التي ذكر فيها كثير من الوقائع العظيمة الماضية والمستقبلة انها في يوم عاشوراء فلا اصل لها وان ذكرها كثير من ارباب السلوك والتاريخ في تواليفهم ومنهم الفقيه ابو الليث ذكر في تنبيه الغافلين حديثا طويلا في ذلك وكذا ذكر في بستانه فلا تغتر بذكرهم اياه فان العبرة في هذا الباب لنقد الرجال لا لمجرد ذكر الرجال ومنها حديث ابي هريرة مرفوعا ان الله افترض على بني اسرائيل صوما في السنة وهو يوم عاشوراء وهو اليوم العاشر من المحرم ووسعوا فيه على اهليكم فانه من وسع على اهله من ماله يوم عاشوراء اوسع الله عليه سائر سنته فصوموه فانه اليوم الذي

مین مذکور ہے اوسکے بعد لکھتے ہین فانظر الی هذه الافك یعنی اس صریح بہتان کو دیکھو پھر لکھتے ہین یہ طولانی حدیثین جس مین اکثر وقائع عظیمہ ماضیہ و مستقبلہ کو لکھتے ہین کہ یہ سب روز عاشورا ہوے ان کی کوی اصل نہین ہے اگرچہ اسکو ارباب سلوک و تواریخ نے اپنی تالیفات مین لکھا ہے جس مین سے فقیہ ابو اللیث ہین جنہون نے تنبیہ الغافلین مین ایک طولانی حدیث اس بارے مین لکھی ہے اسی طرح اپنی بستان مین بھی لکھا ہے تو ان لوگون کی تحریر سے دہوکا نہ کہا کہ اصل امر اس بارہ مین نقد الرجال ہے نہ بڑے بڑے علما کا لکھدینا۔

حدیث ابو ہریرہ ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل پر سال بہر مین ایک روز روزہ واجب کیا تہا اور وہ روز عاشورا تہا اس لیے اپنی عیال پر وسعت دینا چاہیے

تاب الله فيه على ادم وهو اليوم الذى رفع الله فيه ادريس مكانا عليا وهو اليوم الذى نجى الله فيه ابراهيم من النار وهو اليوم الذى اخرج فيه نوحا من السفينة وهو اليوم الذى انزل الله فيه التوراة على موسى وفيه فدى اسمعيل من الذبح وهو اليوم الذى اخرج الله فيه يوسف من السجن وهو اليوم الذى رد الله على يعقوب بصره وهو اليوم الذى كشف الله فيه البلاء عن ايوب وهو اليوم الذى اخرج الله فيه يونس من بطن الحوت وهو اليوم الذى فلق الله فيه البحر لبنى اسرائيل وهو اليوم الذى غفر الله فيه لمحمد ذنبه ما تقدم منه وما تاخر وفى هذا اليوم عبر موسى البحر وفى هذا اليوم انزل الله التوبة على قوم يونس فمن صام هذا اليوم كان له كفارة اربعين سنة وهو اول يوم خلق الله من الدنيا واول مطر نزل من السماء يوم عاشوراء فمن صام يوم عاشوراء صام الدهر كله وهو صوم الانبياء ومن احيى ليلة عاشوراء فكانما عبد الله مثل عبادة اهل السموات السبع ومن

کیونکہ جو شخص اسمیں وسعت دیگا اپنی عیال پر اپنے مال سے تو خدا سال بھر تک وسعت دیگا پس اسروز روزہ رکھو کہ خدا نے اس روز توبہ آدم کو قبول کیا۔ اسی روز خدا نے حضرت ادریس کو آسمان کی طرف بلند کیا ابراہیم کو اسی روز نجاۃ ملی نار سے۔ نوح اسی روز اپنی کشتی سے نکلے۔ اسی روز خدا نے توراۃ کو نازل کیا اسی روز حضرت اسمعیل کے لئے فدیہ آیا جس سے ذبح سے بچگئے۔ اسی روز حضرت یوسف قید سے رہا ہوے۔ اسی روز حضرت یعقوب کی بینائی لوٹ آئی اسیروز بلاے حضرت ایوب دفع ہوی اسی روز حضرت یونس کو بطن ماہی کر نجات ملی۔ اسی روز خدا نے دریا کو شگافتہ کیا بنی اسرائیل کیلئے اسی روز خدا نے رسول اللہ کے گناہوں کو بخشا۔ اسی روز حضرت موسی نے بحر سے عبور کیا اسی روز توبہ قوم حضرت یونس قبول ہوا تو جو شخص اس روز روزہ رکھے کفارہ

صلى فيه اربع ركعات يقرء فى كل ركعة
بالحمد مرة وقل هو الله احد غفر الله له
ذنوب خمسين عاما ماضية وخمسين عاما
مستقبلة وبنى له فى الملاء الاعلى الف
منبر من نور ومن سقى شربة من ماء
فكانما لم يعص الله طرفة عين ومن اشبع
اهل بيت مساكين يوم عاشوراء مر على
الصراط كالبرق الخاطف ومن تصدق
بصدقة فكانما لم يرد سايلا قط ومن
اغتسل يوم عاشوراء لم يمرض الا مرض الموت
ومن اكتحل يوم عاشوراء لم ترمد عينه
تلك السنة كلها ومن امر يده على
راس يتيم فكانما امر يده على يتامى
ولد ادم كلهم ومن عاد مريضا يوم
عاشوراء فكانما عاد مرضى ولد ادم كلهم
اخرجه ابن الجوزى وقال رجاله ثقاة
والظاهر ان بعض المتاخرين وضعه و
ركبه على هذا الاسناد وقال ابن عراق
قلت قال الذهبى ادخل على ابى طالب محمد
بن احمد العشارى احد رواة تحدث
به بسلامة باطن وفى سند كابى بكر
النجاد وقد عمى باخرة وجوز الخطيب ان
يكون ادخل عليه شى [illegible] فيصح ان يكون

ہوگا۔ ہر برس کا یہ وہ روز ہے جسے
خدانے دنیا مین پیدا کیا اور باران
نازل ہوا اسی روز عاشورا کو تو جو
شخص اس روز روزہ رکھے اوس
نے گویا تمام عمر روزہ رکھا۔ یہ روز
انبیا کے روزہ رکھنے کا ہے جسنے اس شب
کو عبادت کی بہ بیداری اوس نے
گویا عبادت کی اہل سموات کے
برابر۔ جسنے چار رکعت نماز پڑہی
کہ ہر ہر رکعت مین یک بار حمد پڑہے
اور قل ہو اللہ تو خدا اوس کے
پچاس برس کے گناہون کو بخش
دیگا گذشتہ اور ۵۰ برس آیندہ
اور ملا اعلی مین اوسکے لیے
ہزار منبر نور کا بنا یگا جو ایک بار
پانی پلاے تو گویا اوسنے کبھی معصیۃ
خدا ہی نہ کی چشم زدن برابر اور جو
ایک خاندان کو مسکینون کے سیر
کرے گا بروز عاشور تو وہ صراط
پر مثل برق خاطف گزریگا اور
جو تصدق کرے تو گویا اوس نے
کسی سایل کو کبھی محروم ہی نہین
رکہا۔ جو اس روز غسل کرے گا وہ

مما ادخل علیه القصّ۔ ص۳۲۶

وہ کبہی بیماری نہ ہو گا الا مرض الموت

مین جو شخص بروز عاشورا سرمہ لگائیگا تو پہر کبہی سال بہر تک اوسکی آنکہ ہی نہ جوش کریگی۔ جو شخص کسی یتیم کے سر پر ہات پہیریگا گویا اوس نے تمام اولاد آدم کے یتیمونکے سرون پر ہاتہ پہیرا اور جو شخص اس روز کسی مریض کی عیادت کرے تو گویا اوس نے تمامی فرزندان آدم کے عیادت کی۔

اس روایت کو ابن الجوزی نے تخریج کیا ہے اور کہا کہ رجال اسکے ثقاۃ ہین اور ظاہر یہ ہے کہ بعض متاخرین نے اسکو وضع کیا ہے اور اس ترتیب سے رواۃ اوس کے رکہے۔ ابن عراق نے کہا کہ ذہبی نے کہا کہ ابو طالب محمد بن احمد عشاری پر بعض رواۃ نے اوس کے داخل کر دیا جس نے بسلامت باطن اس روایت کی حدیث بیان کی اسکی سند مین ابو بکر نجار ہے جو آخر عمر مین اندہا ہو گیا تہا خطیب نے یہ تجویز کیا ہے کہ اوس پر کچہہ داخل کیا گیا ہو جس مین یہ بہی داخل کیا گیا ہے۔

مین کہتا ہون کہ اس تحقیقات سے آپ کو یہ بہی معلوم ہوگا کہ علماے اہل سنت کیسے کیسے چالاک گزرے ہین کہ ایسی ایسی روایتین بنائین جس مین کوی قدح نہین ہو سکتی ہین کیونکہ ابن الجوزی نے آخر صاف کہدیا کہ بعض متاخرین نے اس طرح اس حدیث کو بنایا کہ راوی اس کے کل ثقہ لوگ قرار دئے گئے تو پہر کیا وجہ ہے کہ اس قاعدہ سے صحیحین کی حدیثین وضعی نہین بنای جاتین جو صرف اسوجہ سے یہ حدیثین مان لی جاتی ہین کہ درج صحیح بخاری ہین۔

مولوی عبدالحی صاحب لکھتے ہین۔ ص۳۲۶

ومن الاحادیث الواردة فی یوم عاشورا احادیث فضل الاکتحال فیه وهی لا تخلو عن ضعف شدید بل هی موضوعة واحادیث التوسعة علی العیال وقد حکم علیها ابن الجوزی وابن تیمیه فی منهاج

بہی احادیث سے وہ حدیثین بہی ہین جنہین ذکر ہے سرمہ لگانے کا بروز عاشورا یہ حدیثین ضعف سے خالی نہین بلکہ سب موضوع ہین۔ رہی وہ حدیثین جو دربارہ توسیع علی العیال ہے ذکر کرکے

السنة وغيرهما من خدى حذ وهما بالوضع
وقد تعقب كثير من المحققين في لهم و
التبو أنها حسنة قابلة للاحتجاج و
العمل بها ومع ذلك فهو مجرب أيضا
فاخرج الحاكم في مستدركه ومن طريقه
ابن الجوزي بسنده الى جويبر عن
الضحاك عن ابن عباس مرفوعا من
اكتحل بالاثمد يوم عاشورا لم يرمد ابدا
قال الحاكم أنا أبرء الى الله من عهدة
جويبر انتهى وفي ميزان الاعتدال جويبر
بن سعيد أبو القاسم الازدي المفسر
البلخي صاحب الضحاك قال ابن معين
ليس بشئ وقال الجوزجاني لا يشتغل
به وقال النسائي والدارقطني وغيرهما
متروك الحديث قلت له عن أنس
تمتمي روى عنه حماد بن زيد وابن
المبارك ويزيد ابن هارون وطائفة
ابو مالك عن جويبر عن الضحاك عن ابن
عباس مرفوعا قال يجب الصلوة على الغلام
اذا عقل والصوم اذا اطاق ويروى
عن جويبر عن الضحاك عن ابن عباس
حديث من اكتحل بالاثمد يوم لم يرمد.
ابدا قال أبو قدامة السرخسي قال يحيى

بالون کو وسعت دینا چاہیے) تو اگرچہ
ابن الجوزی و ابن تیمیہ نے اون کو
موضوع کہا ہے منہاج السنۃ مین
اور دوسرے علماے بھی مگر بہت سے
لوگون نے تعقب کیا ہے اور ثابت
کیا ہے کہ وہ حدیثین حسن ہین اور صحیح
سے گری ہوئی) جو قابل احتجاج و
عمل ہے اور مع ذلک مجرب ہے۔
(۱) حاکم نے مستدرک مین اور اوسی طریق
سے ابن الجوزی نے جویبر سے ضحاک
سے ابن عباس سے روایت کی ہے
کہ جو شخص سرمہ لگائے بروز عاشورا
کبھی اوسکو آشوب چشم نہ ہوگا کہا حاکم
نے ہم بری ہین عہدہ جویبر سے۔
میزان الاعتدال مین ہے کہ جویبر بن
ابوالقاسم ازدی مفسر بلخی صاحب
ضحاک۔ کہا ابن معین نے وہ کوئی
چیز نہین ہے۔ کہا جوزقانی نے اوسمین
اشتغال نہ کرنا چاہیے۔ نسائی و دار
قطنی اوسکو متروک الحدیث کہتے ہین
ذہبی کہتے ہین کہ اسکی روایت انس
سے بھی ہے۔ حماد بن زید، ابن المبارک
یزید بن ہارون اور ایک [illegible]

القطان تساهلوا فی اخذ التفسیر عن القوم
لا توثقهم فی الحدیث ثم ذکر لیث بن ابی سلیم
وجویبر او الضحاک ومحمد بن ابی السائب
وقال هؤلاء لا یحمد حدیثهم ویکتب التفسیر
عنهم انتهی واخرج البیهقی حدیث الکحل من
طریق الحاکم وقال سنده ضعیف بمرۃ و
کذلک رواہ بشر بن حمدان بن بشر
النیسابوری عن عمه الحسین بن بشر ولم
ار ذلک فی روایة غیرہ عن جویبر وجویبر
ضعیف والضحاک لم یلق ابن عباس انتهی
واخرجه ابن النجار فی تاریخه من حدیث
ابی هریرۃ بلفظ من اکتحل یوم عاشورا باثمد
فیه مسک عوفی من الرمد وفی سنده
اسماعیل بن معمر قال الذهبی فی المیزان
لیس بثقة انتهی وقال ابن عراق فی تنزیه
الشریعة وجاء من حدیث سلمان رایت
بخط ابی العلامة ابی الفتح المراغی منسوبا
الی تخریج الحافظ السلفی وفی سنده محمد
بن عبد الرحمن ضعیف وفی الجزء المسمی
بالمغنی عن الحفظ والکتاب بقولهم لم یصح
شئ فی هذا الباب للحافظ ابی حفص
بن بدر الموصلی ما نصه لا اکتحال یوم

راوی ہین۔ ابومالک جویبر ابن عباس
سے مرفوعا روایت کرتے ہین کہ واجب
ہے نماز لڑکے پر جب وہ عاقل ہو اور
روزہ جب اوسکو طاقت آجاوے
جویبر سے روایت ہے کہ جو شخص سرمہ
لگائے بروز عاشورا اوسکی آنکہیں
کبہی خوش نہ کرینگی۔ کہا ابو قدامہ سرخسی
نے کہ کہ یحیی بن قطان نے
کہا مساہلہ کرو روایت ہین اوس
قوم سے جن پر تم کو وثوق نہ ہو
حدیث مین۔ پہر ذکر کیا لیث بن
ابی سلیم وجویبر وضحاک
ومحمد بن ثابت کو اور کہا ان کی
حدیثین قابل وثوق نہین ہین مگر
تفسیر اون سے لی جاوے گی۔

(۲) بیہقی نے سرمہ والی حدیث کو
طریق حاکم سے نقل کیا ہے اور کہا سند
اوسکی نہایت ہی ضعیف ہے اسیطرح
بشیر بن احمد بن بشیر نیشاپوری نے
بہی اپنے چچا حسن بن بشیر سے روایت
کی ہے مگر مین نے کسی روایت مین بجز
جویبر کے نہ پایا اور جویبر ضعیف ہے

يوم عاشوراء لم يرد فيه شيء عن النبي
صلى الله عليه وسلم وهي بدعة ابتدعها
قتلة الحسين انتهى وفي بعض كتب الحنفية
ما نصه يكره الكحل يوم عاشوراء لان يزيد
او ابن زياد اكتحل بدم الحسين وقيل
بالاثمد لتقر عينه بقتل الحسين انتهى
كلام ابن عراق وفي الصواعق المحرقة في الرد
على اهل البدع والزندقة لابن حجر المكي
اعلم ان ما اصيب به الحسين رضي الله
عنه في يوم عاشوراء انما هي الشهادة
الدالة على مزيد حظوته ورفعته ودرجته
عند الله والحاقه بدرجات اهل بيته
فمن ذكر ذلك اليوم مصابه لم ينبغ ان
يشتغل الا بالاسترجاع امتثالا للامر واحرازا
لما رتبه تعالى عليه بقوله اولئك عليهم
صلوات من ربهم ورحمة واولئك
هم المهتدون ولا يشتغل ذلك اليوم
الا بذلك ونحوه من عظائم الطاعات
كالصوم واياه ان يشتغل ببدع الرافضة
ونحوهم من الندب والنياحة والحزن
اذ ليس ذلك من اخلاق المؤمنين والا
لكان يوم وفاته صلى الله عليه اولى بذلك
واحرى او ببدع الناصبة المتعصبين

ضحاک سے اور ابن عباس سے ملاقات
نہین ہوئی۔

(۳) ابن النجار نے اپنی تاریخ مین حدیث
ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ جو شخص
لگاے بروز عاشورا اوس سرمہ سے
جس مین مشک ہو تو وہ عافیت پائیگا
رمد سے اس مین اسمٰعیل بن معمر ہے
جس کے بنسبت ذہبی کہتے ہین وہ
موثق نہین ہے۔

(۴) کہا ابن عراق نے تنزیہ الشریعہ مین
کہ حدیث سلمان سے آیا ہے جس کو بخط
علامہ ابو الفتح خزاعی مین نے دیکھا اور وہ
منسوب ہے طرف تخریج حافظ سلفی کے
اوس کی سند مین محمد بن عبد الرحمان
ہے جو ضعیف ہے۔

(۵) جزء مسمی بالنفی عن الحافظ والکتاب
مین ہے کہ اس بارے مین کوئی حدیث
صحیح نہین آئی چنانچہ حافظ ابو حفص بن
بدر موصلی کہتے ہین کہ روز عاشورا کے
سرمہ لگانے کے بارہ مین کوئی حدیث
رسول اللہ سے نہین آئی بلکہ اس بدعت
کو جاری کیا ہے قاتلان امام حسین نے

(۶) بعض کتب حنفیہ مین ہے کہ مکروہ ہے

على اهل البيت والجهال المقابلين الفاسد بالفاسد والبدعة بالبدعة والشر بالشر من اظهار غاية الفرح والسرور واتخاذه عيدا واظهار الزينة فيه كالخضاب والاكتحال ولبس جديد الثياب وتوسيع النفقات وطبخ الاطعمة والحبوب الخارجة عن العادات واعتقادهم ان ذلك من السنة والمعتاد والسنة ترك ذلك كله فانه لم يرد في ذلك شيء يعتمد عليه ولا اثر صحيح يرجع اليه وقد سئل بعض ائمة الحديث والفقه عن الكحل والغسل والحناء وطبخ الحبوب ولبس الجديد واظهار السرور يوم عاشوراء فقال لم يرد فيه حديث صحيح ولا استحبه احد من ائمة المسلمين لا من الاربعة ولا من غيرهم ولم يرد في الكتب المعتمدة في ذلك صحيح ولا ضعيف وما قيل من ان من اكتحل يومه لم يرمد ذلك العام ومن اغتسل لم يمرض كذلك ومن وسع على عياله فيه وسع الله عليه سائر السنة وامثال ذلك من فضل الصلوة فيه وانه توبة آدم واستواء السفينة على الجودي وانجاء ابراهيم من النار وفداء الذبيح من الكبش ورد يوسف

سرمہ لگانا بروز عاشورا کیونکہ یزید اور ابن زیاد نے خون امام حسین سے سرمہ لگایا تھا اور بعض نے کہا ہے کہ ان دونو نے سرمہ لگایا تھا اس غرض سے کہ امام حسین کے قتل سے انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

(۵) صواعق محرقہ میں ہے کہ جو مصیبت امام حسین پر بروز عاشورا واقع ہوئی یہ وہی شہادت ہے جو حضرت کی جلالت قدر و عظمت مرتبہ پر دال ہے اور آپ ملحق ہوئے اہل بیت کے ساتھ تو جو شخص اسروز مصیبت امام کو ذکر کرے اوس کو انا للہ و انا الیہ راجعون کہنا چاہئے۔ تاکہ وہ مرتبہ حاصل ہو جو خدا نے کہا ہے اولئک علیہم صلوات من ربہم و رحمۃ و اولئک ہم المہتدون اور اس روز ایسے ہی کام کرنا چاہیے یا جو مثل اسکے اعظم طاعات سے ہو مثل صوم کے اور ہرگز نہ مشغول ہونا چاہیے روافض کی بدعتوں میں جو وہ اسروز ندبہ کرتے ہیں اور نوحہ اور حزن کہ یہ سب اخلاق مومنین سے نہیں ہے ورنہ روز وفات

على يعقوب فكل ذلك موضوع الاحاديث
التوسعة على العيال لكن في سنده من
تكلم فيه فصار هولاء لجهلهم يتخذونه موسما
واولئك لرفضهم يتخذونه ماتما وكلاهما
مخطي مخالف للسنة كذا ذكره جميعه بعض
الحفاظ وقد صرح الحاكم بان الاكتحال يومه
بدعة مع روايته خبر من اكتحل بالاثمد
يوم عاشوراء لم ترمد عينه ابدا لكنه قال
انه منكر ومن ثم اورده ابن الجوزي في
الموضوعات من طريق الحاكم ونقل المجد
اللغوي عن الحاكم ان سائر الاحاديث في
فضله غير الصوم وفضل الصلوة فيه
والانفاق والخضاب والادهان والاكتحال
وطبخ الحبوب كله موضوع ومفترى وبذلك
صرح ابن القيم ايضا فقال حديث الاكتحال
والادهان والتطيب يوم عاشوراء من
وضع الكذابين والكلام فيمن خص يوم
عاشوراء بالكحل انتهى كلام ابن حجر ٢٢٩

رسول زیادہ اولی تھا اسکے ساتھ۔
اسیطرح بدعت نواصب مین بھی مشغول
ہونا چاہیے جو اہل بیت کی عداوت مین
اظہار فرح و سرور کرتے ہین اور اسکو
روز عید بناتے ہین زینت کرتے ہین
خضاب لگاتے ہین۔ سرمہ لگاتے ہین
نیا لباس پہنتے ہین
نفقہ اہل و عیال مین وسعت دیتے ہین
اقسام جدیدہ طعام پکاتے ہین اور
اوس قسم کے غلے جن کی عادت نہین
جاری ہے اس کو وہ سنت رسول
جانتے ہین حالانکہ سنت یہ ہے کہ ان
باتون کو ترک کرنا چاہیے کیونکہ اس
بارے مین کوئی حدیث قابل اعتماد
نہین وارد ہوئی ہے بعض ائمہ حدیث
و فقہ سے سوال کیا گیا سرمہ لگانے
اور غسل کرنے اور حنابندی اور طبخ
حبوب (نیا غلہ پکانا) اور لباس جدید
پہنے اور اظہار فرح و سرور کے لئے بروز عاشورہ تو جواب دیا کہ کسیطرح کی حدیث
صحیح اس مین نہین آئی۔ نہ کسی امام یا ائمہ مسلمین سے اسکو مستحب جانا نہ ائمہ اربعہ نے
نہ غیرون نے نہ کسی کتاب مین یہ حکم وارد ہوا ہے نہ کسی حدیث صحیح مین نہ ضعیف مین
اور یہ جو کہا گیا ہے کہ جو سرمہ لگائے اس روز اوس کو رمد نہ ہوگا اور جو غسل کرے
وہ مریض نہ ہوگا اور جو وسعت دے اپنے عیال پر اس روز تو خدا اسپر وسعت دیگا

یا قبل اسکے جو حدیثین نماز کے متعلق وارد ہین یا یہ کہ خدا نے توبہ آدم کو قبول کیا یا یہ کہ حضرت نوح کی کشتی کوہ جودی پر ساکن ہوی یا حضرت ابراہیم کو اس روز آگ سے نجاۃ ملی یا فدیہ اسمعیل آیا اور حضرت یوسف اپنے باپ کو مل گے۔ یہ کل حدیثین موضوع ہین مگر حدیث توسعہ علی العیال مگر اوسمین بھی وہ شخص ہے جس کے بارے مین کلام کیا گیا ہے۔

پس ان ناصبیون نے بسبب جہالت اوسکو روز عید قرار دیا اور ان لوگون نے (روافض) اسکو ماتم قرار دیا حالانکہ دونون خاطی ہین مخالف سنت (مگر فرق یہ ہے کہ بنا بر فرض شیعون نے اس روز ماتم کیا اور نواصب و خوارج بزرگان اہل سنت نے ہزارون وضعی روایتین بھی بنائین) حاکم نے باوصفیکہ اسکی روایت کی ہے کہ سرمہ لگانا بروز عاشور موجب امن ہے رمد سے مگر تصریح کی ہے کہ یہ بدعت ہے اسیوجہ سے ابن الجوزی نے اسکو موضوعات مین داخل کیا ہے اور مجد لغوی نے حاکم سے روایت کیا ہے کہ جتنی حدیثین اس روز کی فضیلت مین ہین (باستثنائے صوم) وہ سب موضوع ہین خواہ نماز کے فضایل مین ہون باتفاق خضاب ادہان (تیل ملنا) سرمہ لگانا۔ دالون کا پکانا سب موضوع و مفتری ہین اسی کی تصریح کی ہے ابن القیم نے بھی۔ اور کہا کہ حدیث سرمہ یا تیل لگانے کی حدیث یا عطر کی حدیث بروز عاشورا یہ سب کذابین کی موضوعات سے ہے اسیطرح جن حدیثون مین سرمہ لگانے کی تخصیص ہے بروز عاشورا۔ تمام ہوا کلام ابن حجر جو آثار مرفوعہ مولوی عبدالحی صاحب مین منقول ہے بہ صفحہ ۳۲۹۔

اسکے بعد صفحہ ۳۳۲ مین ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کرتے ہین۔

مایذکرون فی فضایل عاشوراء من التوسعۃ علی العیال وفضایل المصافحۃ والحناء والخضاب والاغتسال ونحو ذلک ویذکر فیها صلوۃ کل ذلک کذب علی رسول اللہ لم یصح فی عاشوراء الا فی فضل صیامه

یعنے ابن تیمیہ کہتے ہین کہ جتنی حدیثین فضایل عاشورا مین بیان کی جاتی ہین خواہ وہ توسعہ عیال سے متعلق ہو یا فضایل مصافحہ مین یا خضاب لگانے اور غسل کرنے مین یا نماز مین جو اسروز مقرر کیگئی ہین وہ سب جھوٹھ ہے افترا ہے رسول اللہ پر باستثنائے اون روایتون کے جنمین روزہ کے

فضایل مذکور ہین۔

مولوی عبد الحی صاحب انسب اقوال کو تسلیم کرتے ہین مگر توسعہ علی العیال مین وہ مخالف ہین مگر ہمکو اوس سے یہان بحث نہین کیونکہ ان عبارتون سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ حضرات اہل سنت نے کس کس طرح عزت افزائی کی ہے قاتلان امام حسین کی اور خود بخاری نے یزید کی مغفرت کی حدیث رسول اللہ کے فضل کی۔ ملاحظہ ہو اصلاح نمبر جلد ۱۲ صفحہ ۲۶۴

پھر روز عاشورا کو ایسا روز متبرک بنایا کہ دنیا۔ آسمان۔ زمین۔ ملایکہ سب کی پیدایش اسی روز ہوی۔ یہان تک کہ خدا نے عرش اعظم پر جلوس نہ کیا جب تک روز عاشورا نہ آیا جتنے انبیا دنیا مین گزرے ہین اون سب سے جو بلا دفع ہوی وہ اسی روز۔ پھر روزہ نماز۔ عید کرنے سرمہ لگانے خضاب کرنے لباس فاخرہ پہننے کے متعلق اس قدر حدیثین بنائین جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل سنت کو کیسی خوشی ہوی شہادت فرزند رسول سے کہ اس قدر افترا کیا رسول اللہ پر تو اب کسکو اس مین شک ہو سکتا ہے کہ جو حدیثین صوم کی متعلق اب تک صحیحین یا صحاح ستہ مین رہگئی ہین وہ سب اونہین موضوعات سے ہین جنکو قاتلان امام حسین ع نے وضع کیا ہے۔

تو اڈیٹر صاحب اہلحدیث کا یہ اشتہار بھی جسمین وہ روزہ کی تاکید کرتے ہین اور ہر سال ہزار ہا اشتہار اپنا ۲ فیصدی فروخت کرتے تھے وہ سب نتیجہ اوسی ٹھیکہ داری یزید کا ہے۔ ورنہ کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جس رسول پر یہ سانحہ گزرے کہ اوسکا فرزند اور تمام نسل طاہر اوسکی اس بے رحمی سے قتل ہو اوس روز وہ روزہ رکھے۔ کیا یہ لوگ رسول اللہ کی نسبت یہ گمان کرتے ہین کہ حضرت کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ کا فرزند ارجمند اس روز شہید ہوگا اور آپ کی نالایق امت اوسکو روز عید قرار دے گی تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ حضرت اوس روز روزہ رکھکر اسکی تعلیم کر جائین کہ یہ روز مسرت ہے۔

روایات شیعہ در

اگر آپ ناراض نہ ہون تو یہان چند حدیثین ہم اہل بیت طاہرین کی بھی نقل کردین بلکہ ہم پوری عبارت کافی کلینی کی مع ترجمہ یہان لکھے دیتے ہین جس سے معلوم ہوگا کہ ائمہ اطہار اس روز کے روزہ کو کیا سمجھتے تھے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹۱

فروع کافی حصہ اول مطبوعہ نولکشور

الحسن بن علی الهاشمی عن محمد بن موسی عن یعقوب بن یزید عن الحسن بن علی الوشا قال حدثنی نخبة بن الحارث العطار قال سالت ابا جعفر علیه السلام عن صوم یوم عاشورا فقال صوم متروک بنزول شهر رمضان و المتروک بدعة قال نخبة فسالت ابا عبد الله علیه السلام من بعد ابیه علیه السلام عن ذلک فاجابنی بمثل جواب ابیه ثم قال اما انه صوم یوم ما نزل به کتاب و لا جرت به سنة الا سنة آل زیاد بقتل الحسین بن علی علیهما السلام

عنه عن محمد بن عیسی بن عبید قال حدثنا جعفر بن عیسی اخوه قال سالت الرضا علیه السلام عن صوم یوم عاشورا و ما یقول الناس فیه فقال عن صوم ابن مرجانة تسالنی ذلک یوم صامه ادعیاء من آل زیاد بقتل الحسین علیه السلام و هو یوم یتشام به آل محمد و یتشام به اهل الاسلام و الیوم الذی یتشام به اهل الاسلام لا یصام و لا یتبرک به و یوم الاثنین یوم نحس قبض الله عز و جل فیه نبیه و ما اصیب آل محمد الا فی یوم الاثنین فتشامنا به و تبرک به

یعنے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا کہ روز عاشورا کیا ہے فرمایا یہ روزہ متروک ہے بسبب نزول حکم روزہ ماہ رمضان اور جو حکم متروک ہو گیا اوسکا عمل مین لانا بدعت ہے۔

نخبہ کہتے ہین کہ مین نے ابو عبد اللہ سے پوچھا بعد وفات آپ کے پدر بزرگوار کے تو یہی جواب آپنے بھی دیا۔ اور فرمایا یہ وہ روزہ ہے کہ نہ اس بارے مین کتاب نازل ہوی نہ سنت جاری ہوئی مگر سنت آل زیاد بوجہ قتل امام حسین ع۔

(٢) محمد بن عیسی بن عبید کی حدیث ہے کہ جناب امام رضا علیہ السلام سے دربارہ صوم عاشورا سوال کیا اور جو کچھ لوگ کہتے ہین تو حضرت نے فرمایا تو مجھسے روزہ بنی مرجانہ کو پوچھتا ہے یہ وہ روزہ ہے کہ حرامزادگان آل زیاد نے اوس روز روزہ رکھا بوجہ قتل امام حسین ع کے۔ اس روز کو منحوس جانتے ہین آل محمد اور تمامی اہل اسلام نہ اوس روز روزہ رکھنا

قتل الحسین علیه السلام وتبرک به ابن مرجانة وتشام به آل محمد صلی الله علیه وآله فمن صامهما او تبرک بهما لقی الله تبارک تعالی ممسوخ القلب وکان حشره مع الذین سنّا صومهما والتبرک بهما

وعنه عن محمد بن عیسی قال حدثنا محمد بن ابی عمیر عن زید النرسی قال سمعت عبید بن زرارة یسأل ابا عبد الله ع عن صوم یوم عاشورا فقال من صامه کان حظه من صیام ذلک الیوم حظ ابن مرجانة وآل زیاد قال قلت وما کان حظهم من ذلک الیوم قال النار اعاذنا الله من النار ومن عمل یقرب من النار

وعنه عن محمد بن الحسین عن محمد بن سنان عن ابان عن عبد الملک قال سالت ابا عبد الله علیه السلام عن صوم تاسوعا وعاشورا من شهر المحرم فقال تاسوعا یوم حوصر فیه الحسین علیه السلام واصحابه رضی الله عنهم بکربلا واجتمع علیه خیل اهل الشام وانا خوا علیه وفرح ابن مرجانة وعمر ابن سعد بتوافر الخیل وکثرتها واستضعفوا فیه الحسین علیه السلام واصحابه کرم الله وجوههم وایقنوا ان لا

چاہیے نہ اسکو متبرک سمجھنا چاہیے اور روز دوشنبہ لعنہ نحس ہے جسمیں رسول اللہ نے انتقال کیا۔ آل محمد پر مصیبت نازل ہوئی تھی اسی روز۔ اسی وجہ سے آل محمد اس کو منحوس جانتے ہیں اور ہمارے دشمن اسکو روز برکت

روز عاشورا وہ روز ہے جس روز امام حسینؑ شہید ہوئے اور متبرک سمجھا اس کو ابن مرجانہ نے اور منحوس سمجھا اسکو آل محمد نے۔ پس جو شخص ان دونوں روز روزہ رکھے یا اسکو متبرک جانے تو خدا سے ممسوخ القلب ملاقات کرے گا اور اوس کا حشر اون لوگوں کے ساتھ ہوگا جنہوں نے اس روز روزہ رکھے اور متبرک جاننے کی بدعت جاری کی۔

(۳) محمد بن عیسیٰ نے حدیث کی کہ عبید بن زرارہ کو سنا کہ حضرت امام جعفر صادق ع سے سوال کیا روزہ عاشورا سے تو حضرت نے فرمایا جو شخص اس روز روزہ رکھے گا تو اوسکو بھی وہی حاصل ہوگا جو ابن مرجانہ اور آل زیاد کا خط تھا۔ میں نے عرض کیا اون کا

یابی الحسین علیہ السلام ناصر ولا یمدہ اهل العراق بابی المستضعف الغریب ثم قال واما یوم عاشورا فیوم اصیب فیہ الحسین علیہ السلام صریعا بین اصحابہ واصحابہ صرعی حولہ افصوم یکون فی ذلک الیوم کلا ورب البیت الحرام ما هو یوم صوم وما هو الا یوم حزن ومصیبۃ دخلت علی اهل السماء واهل الارض وجمیع المؤمنین ویوم فرح وسرور لابن مرجانۃ وآل زیاد واهل الشام غضب اللہ علیهم وعلی ذریاتهم وذلک یوم بکت جمیع بقاع الارض خلا بقعۃ الشام فمن صامہ وتبرک بہ حشرہ اللہ مع آل زیاد ممسوخ القلب مسخوط علیہ ومن ادخر الی منزلہ ذخیرۃ اعقبہ اللہ تعالی نفاقا فی قلبہ الی یوم یلقاہ وانتزع البرکۃ عنہ وعن اهل بیتہ وولدہ وشارکہ الشیطان فی جمیع ذلک

اس روز مین کیا حصہ تہا فرمایا آتش جہنم خدا ہم سب کو آتش جہنم سے اور اوس عمل سے محفوظ رکھے جو آتش جہنم سے قریب کرے۔

(۴۴) محمد بن الحسین روایت کرتے ہین امام جعفر صادق ع سے کہ صوم تاسوعا وعاشورا - ۹ و ۱۰ محرم سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا نوین محرم وہ روز ہے کہ امام حسین کا اوس روز محاصرہ کرلیا گیا اور آپ کے اصحاب کا کربلا مین اور لشکر اہل شام نے آپ پر ہجوم کیا اور خوش ہوا ابن مرجانہ و عمر بن سعد اپنے لشکر کی کثرت اور توافر سے۔ ان لوگون نے ضعیف سمجھ لیا حضرت امام حسین کو اور آپکی اصحاب کو اور یقین کرلیا کہ بظاہر امام حسینؑ کا نہ کوی ناصر آئیگا نہ کوی اہل عراق آپ کی مدد کرین گے ہمارے مان باپ فدا ہون اوس امام مظلوم و غریب پر۔

لیکن روز عاشورا وہ روز ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام شہید کیے گئے آپ اپنے اصحاب کے درمیان مین کشتہ پڑے تھے اور آپ کی اصحاب آپ کے گرد کشتہ ہو کر پڑے تھے۔ پہر کیا اس روز کوی روزہ رکھ سکتا ہے۔ ہرگز نہین قسم صاحب خانہ کعبہ کی یہ روزہ کا روز نہین ہے بلکہ وہ روز حزن و مصیبت ہے جو اہل آسمان و زمین و جمیع مومنین پر نازل ہوی اور روز فرح و سرور ہے ابن مرجانہ و آل زیاد

واہل شام کے لئے جنپر خدا کا غضب نازل ہو اور اون کی ذریات پر اور یزید و عدو وسے کہ تمامی بقعہ ہاے زمین اس روز گریان ہوئین بہ استثناے بقعہ شام ۔ جس شخص نے اس روز روزہ رکھا یا برکت لی اس روز تو خدا اوس کو حشر کرے گا آل زیاد کیساتہ مسوخ القلب مسخوط علیہ جنپر خدا غضبناک ہوا جسنے اوس روز ذخیرہ کیا اپنی گہر مین تو خدا اوس کے دل مین نفاق ڈالیگا روز قیامت تک اور برکت اوسکی سلب کریگا اوس سے اور اوس کے خاندان و اولاد سے اور شرکت کرے گا شیطان اوسکی ہر امر مین ۔ "

یہ حدیثین ہمنے صرف کتاب مستطاب کافی کلینی سے لکہی ہین جس کے مصنف علام محمد بن یعقوب کلینی رحمہ اللہ کو صاحب جامع الاصول نے مجددین مائہ ثالثہ سے قبول کیا ہی ۔

ہم یہ نہین کہتے کہ اہل سنت ان حدیثون پر ایمان لائین اگرچہ رسول اللہ کا یہی حکم ہے انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ۔ مگر یہ تو ضرور معلوم ہوا کہ اہلبیت اطہار اس روز کو کیسا سمجہتے تہے ۔

پہلی حدیث مین جو حضرت نے فرمایا ہے کہ یہ صوم متروک ہی تو غالباً بنا بر تسلیم روایات مخالفین ہے کہ اگر ہم مان بہی لین کہ حضرت نے اسروز بہی روزہ رکہا تہا تو بسبب نزول حکم روزہ ماہ رمضان وہ روزہ متروک ہو گیا اور متروک پر عمل کرنا بدعت ہو مگر اہل سنت اسپر کیون ایمان لانے لگے ۔ مگر افسوس یہ خیال اونکا صرف اسی روزہ عاشور کی نسبت ہے ورنہ اگر کہا جاے کہ اسیطرح جن آیات قرآنی کو تم منسوخ التلاوۃ سمجہتے ہو اون کی بہی تلاوت کرو تو کافر کہینگے اور جان مارنے پر تیار ہو جاینگے تو اسکی وجہ بجز ناصبیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آیات منسوخ التلاوت کی قرات سے تو انسان کافر ہو جاے اور منسوخ الحکم روزہ سنت قرار دیا جاے ۔

اب ایڈیٹر صاحب اہلحدیث غور فرمائین کہ آپ کا یہ فرمانا " دہم محرم مین صرف ایک یا دو روزہ رکہنا ایک مذہبی کام ہے " کہان تک درست ہی کیونکہ نہ صرف احادیث ائمہ اطہار سے اس کا بدعت ہونا معلوم ہے بلکہ خود احادیث اہل سنت سے معلوم ہوا کہ کل روایتین جو منقول قاتلان امام حسین ؑ سے ہے جو محض یزید کی طرفداری مین وضع کیگئی ہین پہر بناے آپ متبع

رسول ہوے یا پیرو سنت یزید و قاتلان امام حسین علیہ السلام-

اس کے بعد جو آپ لکھتے ہین "اس کے علاوہ تعزیہ داری وغیرہ جو مسلمانون نے جاری کر رکہا ہے سب فضول بدعت اور گناہ کے کام ہین"

تو نہ معلوم یہ حکم کہان سے نکالا گیا قرآن سے یا حدیث سے کیونکہ خدا فرماتا ہے ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا یعنی جو مخالفت کرے رسول کی بعد اس کے کہ ہدایت ظاہر ہوی اور پیروی کرے غیر سبیل مومنین کی تو ہم اوس کو اودہر ہی چلنے دین گے اور جہنم مین داخل کرین گے اور وہ بری بلا گشت ہے جس سے معلوم ہوا مخالفت رسول و مخالفت سبیل مومنین ایک حکم رکہتی ہے

تو کیا آپ ائمہ اطہار عہ کو مومنین بھی نہین مانتے جو اونکی مخالفت کرتے ہین کیونکہ احادیث مذکورہ مین صریحی حکم حزن و مصیبت موجود ہے پہر اونکی مخالفت کرنا کیا اتباع غیر سبیل المومنین مین نہین داخل ہوگا-

آپ اگر مسلمان ہون گے تو یزید اور اوس کے ذریات کو ضرور منافقین رسول سے سمجھتے ہونگے پہر کیونکر آپ اوس کا اتباع کرکے تعزیہ وغیرہ پر اعتراض کرسکتے ہین-

جب آپ مانتے ہین کہ تعزیہ مسلمانون کا جاری کیا ہوا ہے تو پہر حدیث ما راہ المسلمون حسنا فہو عند اللہ حسن سے کیون مخالفت کرتے ہین-

افسوس یہ ہے کہ آپ کو دعوی اہل علم ہونے کا اور مولوی فاضل پاس ہونے کا مگر تعزیہ کے معنی ہی نہین نہ ہی جانتے ہین کہ تعزیہ کس جانور کا نام ہے- حدیث مین اس کا حکم ہے یا نہین مجمع بحار الانوار صفحہ ۲۸۴ ملاحظہ فرمائیے- وح التعزیۃ فی وفاتہ ع ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ ای تعزیۃ ان تصلی و تصبر بقولہ انا للہ یعنی حدیث تعزیہ وفات رسول اللہ مین ہے کہ خدا خود عزا ہے ہر مصیبت سے پس معنی تعزیہ ہے صلوۃ بہیجو اور صبر کرو انا للہ سے پس جب خود حدیث مین تعزیہ کا حکم ہے وفات رسول اللہ مین اور خدا خود عزا ہے ہر مصیبت مین تو پہر تعزیہ کو فضول و بدعت کہنا موجب کفر نہین تو کیا ہے

ارے صاحب آپ تو اہل حدیث ہین پہر حدیث سے کیون منہ پہیرتے ہین جو نہین دیکہتے

کہ خود محبت رسول مین تعزیہ کا حکم ہے آپ ان لکڑیون اور کاغذ و ابرک کو تعزیہ سمجھتے ہین حالانکہ تعزیہ کے معنی تسلی کے ہین تو چونکہ ان لکڑیون سے جو نقل روضہ امام حسینؑ ہی عزاداران کی ایک طرح تسکین ہو جاتی ہے اس لیے اس کو مجازاً تعزیہ کہتے ہین۔

کیون صاحب حدیث مین تو یہ حکم ہے ومن لم تیعز بعزاء اللہ فلیس منا ای من لم یدع بدعوی الاسلام فیقول یا للاسلام او للمسلمین او للہ صہ ۳۹۴ - کہ جو شخص نہ تعزے کرے ساتھ عزاے اللہ سے وہ ہمسے نہین ہے یعنی کہ جو شخص نہ دعوت کرے ساتھ دعوی اہل اسلام کے اور کہے یا للاسلام یا للمسلمین یا للہ وہ مسلمان نہین ہے پھر آپنے اس تعزیہ کو بدعت کیون کہہ دیا کیا امام حسین علیہ السلام کو آپ مسلمان بھی نہین جانتے یا اس تعزیہ کے ساتھ سواے امام حسینؑ کے اور بھی کسیکا نام لیا جاتا ہے۔

اڈیٹر صاحب اب تو تعزیہ کا وجود حدیث سے بھی معلوم ہوا اور اسکا حکم بھی کہ جو شخص تعزیہ دار نہ ہو وہ مسلمان نہین تو پھر جو آپ اشتہار بھیجکر لوگون کو گمراہ کرتے ہین اس سے کیا آپ اس آیہ مین نہین داخل ہون گے۔

ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار ولا یکلمہم اللہ یوم القیمۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالہدی والعذاب بالمغفرۃ فما اصبرہم علی النار۔ جو لوگ خدا کی نازل کی ہوی کتاب سے چھپاتے ہین اور اوس کے بدلے تھوڑی سی قیمت لیتے ہین وہ اپنے پیٹون مین محض آگ بھرتے ہین ایسے لوگون سے خدا نہ کلام کرے گا بروز قیامت نہ اونکو پاک کریگا اون کے لیے عذاب الیم ہے۔ یہی لوگ ہین جنھون نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا یہ لوگ عذاب الیم کے کیسے برداشت کرنے والے ہین۔

اڈیٹر صاحب آپ تعزیہ کو رسم مذموم فرماتے ہین مگر یہ نہین بتاتے مذمومیت اس کی عقلی ہے یا نقلی کیونکہ آیت یا حدیث تو آپ نے نہ لکھی ہے جس سے مذمت نقلی ثابت ہو رہی عقلی مذمت اوس کا کوئی مدعی نہین ہو سکتا کیونکہ ہر بزرگ کی یادگاری عقلاً و نقلاً ممدوح ہے اور امام حسین تو وہ بزرگ ہین کہ ان کی عظمت مین کسی خارجی کو بھی عذر نہین پھر آپ کی

یہ کیونکر کہا دو کہ اس رسم سے خدا و رسولؐ و تمام اہل سنت ناراض ہیں، کیا کوئی آیۃ آپکے پاس ہے یا حدیث حالانکہ ہم عموم آیات و احادیث اس کے استحسان و استحباب پر پیش کر چکے ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ آپ مدعی اسلام ہو کر اس درجہ امام حسینؑ سے بغض رکھتے ہیں کہ یہ بھی نہیں چاہتے دنیا میں آپکی تعزیہ داری قایم رہے حالانکہ اگر امام سے آپکو محبت نہ تھی تو اس خیال سے کہ آپ کے صحابہ بھی معرکہ کربلا میں کام آئے ہیں آپ عزادار ہوتے

شرکت صحابہ در کربلا

چنانچہ ینابیع المودۃ شیخ سلیمان بلخی قندوزی میں ہے وفی الاصابۃ انس ابن الحارث ابن نبیہ قال سمعت رسول اللہ یقول ان ابنی ھذا یعنی الحسین یقتل بارض یقال لہا کربلا فمن شہد ذالک منکم فلینصرہ فخرج انس بن الحارث الی کربلا فقتل بہا مع الحسین " (اصابہ جلد اول مطبوعہ مصر ۶۸)

استیعاب صفحہ ۳۲ ج ۱ میں ہے انس بن الحارث روی عنہ سلیم والد اشعث بن سلیم من النبی فی قتل الحسین وقتل مع الحسین۔

(۱) یعنی انس صحابی تھے جیسا کہ بخاری اپنی تاریخ میں اور بغوی و ابن سکین وغیرہ نے انس بن حارث سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے سنا رسول اللہ سے کہ میرا فرزند حسین قتل ہوگا ایک زمین پر جس کو کربلا کہتے ہیں جو اس وقت موجود ہو لازم ہے اوسپر کہ نصرت کرے اوسکی۔ اسیوجہ سے انس بن حارث حضرت کے ساتھ رہے اور قتل ہوئے امام حسین کے ساتھ۔

بعض علمانے انکی صحابیت میں تردد کیا تھا مگر ابن حجر نے اصابہ میں نہایت زوروں سے اسکی تحقیق کی ہے کہ وہ صحابی تھے اسیطرح استیعاب میں ابن عبد البر نے اسکی تحقیق کی ہے

(۲) ہانی بن عروہ بھی صحابی تھے جن کے یہاں حضرت مسلم مہمان ہوئے اور اسی جرم میں وہ شہید کئے گئے یہ خود بھی صحابی ہیں اور ان کے باپ عروہ بھی صحابی تھے۔ ملاحظہ ہو اصابہ جلد ۶ صفحہ ۲۹۹ ذکر ہانی بن عروہ۔

(۳) حبیب ابن مظاہر (مشہور حبیب ابن مظہر) اصابہ میں ہے لہ ادراک عمر حتی قتل مع الحسین

بن علی ص ۵۵ جلد ۲ یعنی زمانہ رسول اللہ میں انہوں نے بھی پایا تھا اور جناب امام حسین کے ساتھ شہید ہوئے۔

(۴) عروہ غفاری ینابیع المودۃ میں ہے وکان شیخا کبیرا شہد بدرا وحنین وصفین صفحہ ۲۰۶ یعنی عروہ غفاری شیخ کبیر تھے جنگ حنین وصفین مین شریک رہ چکے تھے۔

پس اگر انکو امام حسین سے نہین ہمدردی ہو تو ان صحابہ کے خیال سے تو اسروز غم کیجے کیونکہ چار بزرگوار صحابہ رسول مختار سے اس روز شہید ہوئے ہین۔

ہان اگر صحابہ مین ایمان ہوتا اور سب ایمان دار ہوتے تو امام حسین اس غربت و بیکسی سے کیون شہید ہوتے مگر اون پر محبت دنیا ایسی غالب تھی کہ جو لوگ صاحب وجاہت و اقتدار تھے وہ سب دنیا دار تھے چنانچہ ابن عمر نے تو صاف صاف کہدیا اس سے بڑھکر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ ہم یزید کی بیعت کر چکے ہین اور آج وہ معزول کیا جاتا ہے۔

مگر یہ نہ سمجھے کہ خدا نے اون صحابہ سے امکان انتقام نہ لیا ہو ملاحظہ ہو کتاب الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ عدد من قتل من اصحاب النبی وغیرہم قال ذکروا انہ قتل یوم الحرۃ من اصحاب النبی ثمانون رجلا ولم یبق بدری بعد ذلک ومن قریش والانصار سبعمائۃ ومن سائر الناس من الموالی والعرب والتابعین عشرۃ آلاف ص ۲۲۲ یعنی صحابہ رسول جو واقعہ حرہ مین قتل ہوئے تو ۸۰ بدری تھے جسکے بعد کوئی بدری پھر باقی نہ رہا۔ اور قریش و انصار سے سات سو آدمی مارے گئے اور باقی لوگون سے جس مین موالی و عرب و تابعین سب داخل تھے دس ہزار مارے گئے۔

کیسے ان صحابہ نے جواب ذلت کی موت گوارا کی اگر یہ انصار امام حسین سے ہوتے تو کیا آپ خیال کر سکتے ہین کہ یزید اس طرح خائب المرام ہو جاتا اور اگر بالفرض مارے بھی جاتے تو درجہ شہادت پاتے اور آج اون کے نام پر بھی اسیطرح ماتم کیا جاتا جسطرح شہیدان کربلا پر ماتم کیا جاتا ہے جس سے قیامت تک اوسکا نام قایم رہتا۔

غرض حضرات اہل سنت عموماً اور اہل حدیث خصوصاً اگر مسلمان ہوتے تو وہ سب سے زیادہ اس مصیبت عظمی مین گریہ و بکا کرتے کیونکہ رسول اللہ نے ایکدفعہ نہین صدہا مرتبہ حیات مین بھی

اور بعد رحلت بھی اس مصیبت پر گریہ کیا ہے۔ کیا آپ نے مشکوٰۃ شریف مترجمہ مولوی وحید الزمان صاحب جلد ۵ صفحہ ۱۸۳ میں یہ حدیث نہیں ملاحظہ کی ہے۔ صفحہ ۱۳۹ جلد ۵۔

وعن ام الفضل بنت الحارث انها دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله اني رأيت حلما منكرا الليلة قال وما هو قالت انه شديد قال وما هو قالت رأيت كأن قطعة من جسدك قطعت ووضعت في حجري فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم رأيت خيرا تلد فاطمة ان شاء الله غلاما يكون في حجرك فولدت فاطمة الحسين فكان في حجري كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخلت يوما الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فوضعته في حجره ثم حانت مني التفاتة فاذا عينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تهريقان الدموع قالت فقلت يا نبي الله بابي انت وامي ما لك قال اتاني جبرئيل عليه السلام فاخبرني ان امتي ستقتل ابني هذا فقلت هذا قال نعم واتاني بتربة من تربته حمراء

اور روایت ہے ام فضل بیٹی حارث سے کہ وہ آئیں رسول اللہ صلعم کے پاس پس کہا یا رسول اللہ تحقیق میں نے دیکھا ہے ایک خواب برا آج کی رات فرمایا حضرت نے کیا ہے وہ خواب کہا ام فضل نے تحقیق وہ خواب سخت ہے فرمایا حضرت نے کیا ہے وہ کہا ام فضل نے دیکھا میں نے گویا ایک ٹکڑا آپکے بدن مبارک سے کاٹا گیا ہے اور رکھا گیا ہے میری گود میں پس فرمایا رسول خدا نے دیکھا تو نے خواب اچھا جنے گی فاطمہ بیٹا اگر چاہا خدا نے ہوگا وہ تیری گود میں پس جنی فاطمہ نے حسین کو پس تھا وہ میری گود میں جیسے کہ فرمایا تھا رسول اللہ نے پس آئی میں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پس رکھدیا میں نے حسینؑ کو آن حضرت کی گود میں پھر میں دیکھنے لگی اور طرف پھر دیکھا میں نے انکی طرف پس ناگہان آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ڈالتی تھیں آنسو کہا ام فضل نے پس کہا میں نے اے نبی اللہ قربان ہوں ماں باپ ہمارے تم پر کیا ہوا آپکو کہ روتے ہو فرمایا حضرت نے آئے میرے پاس جبرئیل اور خبر دی مجھکو کہ تحقیق امت میری نزدیک ہے کہ قتل کرے گی اس بیٹے میرے کو پس کہا میں نے

اِس بیٹے کو کہا اونہوں نے ہان اور دی مجکو جبرئیل نے مٹی اوسکی سے مٹی سرخ ۔ تو پھر آپ کیسے مدعی اتباع سنت رسول اللہ ہین کہ امام حسینؑ کے حال پر آپکو رونا نہین آتا ۔ کیا اسیکا نام اتباع سنت رسول ہی کہ حضرتؐ تو مصیبت امام حسین کو یاد کرکے روتے تہین اور آپ اس تعزیہ داری کو مذموم بتاتے ہین پہر سنکے لیجئے اولی حدیث ۔ دیکھئے ۔

وعن ابن عباس انہ قال رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یری النائم ان یوم منتصف النہار اشعث اغبر بیدہ قارورۃ فیہا دم فقلت بابی انت وامی ما ہذا قال ہذا دم الحسین واصحابہ لم ازل التقطہ منذ الیوم فاحصی ذلک الوقت فاجد قتل ذلک الوقت رواہما البیہقی فی دلائل النبوۃ واحمد الاخیرۃ وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احبوا اللہ لما یغذوکم من نعمہ و احبونی بحب اللہ واحبوا اہل بیتی لحبی رواہ الترمذی ۔

اور روایت ہی ابن عباس سے کہ تحقیق کہ اونہون نے کہا کہ دیکھا مین نے نبی کو بیچ اس حالت کے کہ دیکھتا ہے سونے والا ایک روز وقت دوپہر کے پراگندہ بال گرد آلود حضرتؐ کے ہاتھ مین ایک شیشہ ہے کہ اسمین خون ہے پس کہا مینے باپ میرا اور مان میری قربان ہون تمہارے کیسا ہی یہ شیشہ فرمایا حضرتؐ نے یہ خون حسین کا اور اوسکے یارون کا ہی ہمیشہ رہا مین چنتا اوسکو ابتدا آج کے دن سے ابن عباس نے کہا پس یاد رکہا مینے اوس وقت کو پس پایا مینے کہ قتل کیے گئے حسینؑ اوسیوقت روایت کین یہ دونون حدیثین بیہقی نے دلائل النبوۃ مین اور اوسکی روایت کی احمد نے حدیث اخیر اور ابن عباس نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوست رکھو خدا کو بسبب اوس چیز کے کہ پرورش کرتا ہی تم کو نعمت سے پس دوست رکھو مجکو بسبب دوستی خدا کے اور دوست رکھو اہل بیت کو بسبب میری دوستی کے ۔ روایت کی یہ ترمذی نے ۔

کیا اس روایت کو دیکھکر کوئی مسلمان ایسا ہو سکتا ہے جو بروز عاشورہ مصائب امام حسینؑ مین گریان نہ ہو کیونکہ ابن عباس کو آنحضرتؐ نے خواب کیونکر دکہایا ۔ اسیوجہ ہی کہ عاشیہ

مشکوۃ مین ہے۔ ان حدیثون سے یہ بات نکلتی ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کا حال سنکر غم کرنا درست ہے۔ پھر نہ معلوم اس زمانہ کے وہابی کس مذہب کے ہین جو اپنے مذہب کی حدیثون کو بھی نہین مانتے۔ پھر اوسی مشکوۃ مین یہ تیسری حدیث ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳۵

وعن سلمى قالت دخلت على ام سلمة
وهي تبكي فقلت ما يبكيك قالت
رايت رسول الله صلے الله علیہ وسلم
تعني في المنام وعلى راسه ولحيته
التراب فقلت مالك يا رسول الله
قال شهدت قتل الحسين انفا
رواه الترمذي

اور روایت ہے سلمےٰ سے کہا داخل ہوئی مین اوپر ام سلمہ کے اور وہ رو رہی تھین پس کہا مین نے کس چیز نے رلایا تمکو کہا دیکھا مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب مین اور اون کے سر اور داڑھی مبارک پر مٹی تھی پس کہا مینے کیا ہوا ہے تم کو یا رسول اللہ فرمایا آن حضرت نے کہ حاضر ہوا تھا مین حسین کی قتلگاہ مین روایت کی اسے ترمذی نے اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

حاشیہ مشکوۃ مین ہے کہ اس حدیث سے امام حسینؑ کی مقبیات ثابت ہوئی کہ حضرت خود ان کے شہید ہونے کے وقت تشریف لائے اور بکمال غمگین ہوئے ''

پھر نہ معلوم وہابی (اہلحدیث) کس مذہب کے آدمی ہین جو امام حسین کے غم مین رونے اور پیٹنے کو منع کرتے ہین۔ حالانکہ ان حدیثون سے معلوم ہوا کہ یہ ایسا غم ہے کہ خود آنحضرت نے یہ خبر سنکر حالت حیات مین گریہ کیا اور بعد وفات معرکہ کربلا مین شریک ہوئے امام حسین اور آپ کے اصحاب باوفا کا خون شیشہ مین جمع کیا۔ سر پر ریش مبارک پر خاک ڈالی حضرت ابن عباس اور اپنی زوجہ محترمہ کو اسطرح خواب دکھایا کہ وہ بھی رنجیدہ غمگین تو کیا کوئی مسلمان ایسا بھی ہوسکتا ہے جو غم امام حسینؑ مین نہ روئے اور رسول اللہ کی تاسی نہ کرے۔ حاشا وکلا ہرگز نہین۔

ملا علی قاری شرح مشکوۃ مین اس حدیث کی شرح مین لکھتے ہین اخرج احمد فی المناقب عن الربیع بن منذر عن ابیہ قال کان حسن بن علی یقول من دمعت عیناہ

فینا دمعه او قطرت عیناه فینا قطرة آتاه الله عزوجل الجنة ص ۴۰ جلد ۲
یعنی حسن بن علی فرماتے تھے کہ جس شخص کی آنکھ سے ایک قطرہ بھی آنسو ہماری مصیبت مین نکلیگا خداوند عالم اوسکو جنت عطا کریگا۔

تو اب کون مسلمان ہو سکتا ہے جو ان احادیث کو دیکھکر بھی ایمان نہ لائیگا اور عزاداری امام مظلوم کو اپنی نفس پر واجب نہ سمجھیگا کیونکہ اس مصیبت مین رسول اللہ نے اپنی زندگی مین بھی غم کیا ہے اور بعد رحلت بھی غم فرمایا حالانکہ سب مسلمانون کو معلوم ہے حضرت بعد انتقال نعمات بہشت سے متنعم ہو رہے ہین مگر یا تو یہ مصیبت ایسی عظیم تھی جسنے بعد رحلت بھی چین نہ لینے دیا یا صرف مسلمانون کے ہدایت و ارشاد کے لئے خدا نے ابن عباس اور حضرت ام سلمہ کو ایسا خواب دکھایا تاکہ مسلمانون کو معلوم ہو یہ غم کیسا عظیم الشان ہے کہ خود رسول اللہ سر برہنہ نالان و گریان شریک معرکہ کربلا ہوئے۔

آثار غضب خدا اللہ اللہ یہ واقعہ کیسا قیامت خیز تھا کہ خداوند عالم نے اپنا غضب کن صورتون سے ظاہر کیا صواعق محرقہ ابن حجر مکی مین ہے۔ ومما ظهر یوم قتله من الآیات ایضا ان السماء اسودت اسودادا عظیما حتی رویت النجوم نهارا ولم یرفع حجر الا وجد تحته دم عبیط × وان السماء احمرت بقتله وانکسفت الشمس حتی بدت الکواکب نصف النهار وظن الناس ان القیامة قد قامت ولم یرفع حجر فی الشام الا روی تحته دم عبیط × اخرج عثمان بن ابی شیبة ان السماء مکثت بعد قتله سبعة ایام تری علی الحیطان کانها ملاحف معصفرة من شدة حمرتها وضربت الکواکب بعضها بعضا ونقل ابن الجوزی عن ابن سیرین ان الدنیا اظلمت ثلاثة ایام ثم ظهرت الحمرة فی السماء و قال ابو سعید ما رفع حجر من الدنیا الا وتحته دم عبیط ولقد مطرت السماء دما بقی اثره فی الثیاب حتی تقطعت × اخرج الثعلبی ان السماء بکت وبکاؤها حمرتها وقال غیره احمرت آفاق السماء ستة اشهر بعد قتله ثم لا زالت الحمرة تری بعد ذلک وان ابن سیرین قال اخبرنا ان الحمرة التی مع الشفق لم تکن قبل قتل الحسین وذکر ابن سعد ان هذه الحمرة لم تر فی السماء قبل قتله قال ابن الجوزی وحکمته ان

غضبانا یوثر حمرة الحبه والرب منزه عن الجسمیة فاظهر تاثیر غضبه علی من قتل الحسین بحمرة الافق اظهارا لعظم الجنایة قال ما نین عباس وهو ماسر ببدر منع النبی النوم فکیف بانین الحسین ولما اسلم وحشی قاتل حمزة قال له النبی غیب وجهک عنی فان لا احب اری من قتل الاحبة هذا وقال هذا والاسلام یجب ما قبله فکیف لقلبه ان یری من ذبح الحسین وامر بقتله وحمل اهله علی اقتاب الجمال ص ۱۱۶ یعنے بروز قتل امام حسینؑ آیات الہی سے یہ ظاہر ہوا کہ آسمان سیاہ ہو گیا کہ دن کو ستارے نظر آنے لگے۔ اگر زمین سے کوئی پتھر اوٹھایا جاتا تو خون تازہ نیچے اوس کے جوش مارتا × آسمان سرخ ہو گیا آفتاب کو گہن لگا یہان تک کہ دن دوپہر ستارے نکل آئے اور لوگون نے گمان کیا کہ قیامت قایم ہوئی۔ عثمان ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہین کہ حضرت کی شہادت کے بعد سات روز تک آسمان سرخ رہا کہ تمام در و دیوار سرخ نظر آتا آسمان سے تازہ خون برستا رہا جسکا اثر کپڑون پر مدتون باقی رہا یہان تک کہ کپڑہ پھٹ گیا مگر نشان خون نہ گیا۔ ثعلبی کی روایت ہے کہ آسمان رویا اور اوسکا رونا یہی ہے کہ سرخی شفق کی ظاہر ہوئی اسکے قبل کسی نے اس سرخی کو نہین دیکھا تھا ابن سیرین کہتے ہین کہ سرخی شفق قبل شہادت امام مظلوم نہ تھی۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ لوگون کا غصہ تو چہرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرخ ہو جاتا ہے مگر چونکہ خداوند عالم جسمیت سے منزہ ہے لہذا اوسکے غیظ و غضب کے آثار ظاہر ہوئے حمرۃ شفق سے کہ شفق مین سرخی نمودار ہوئی تاکہ خلایق کو معلوم ہو یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ کہا ابن الجوزی نے کہ حضرت عباس جنگ بدر مین جو قید ہو کر لشکر اسلام مین آئے تو اونکی آواز گریہ و بکا نے حضرت کو سونے نہ دیا تو امام حسین کی نالہ و زاری سے حضرت کے دل پر کیا گزرا ہو گا۔ وحشی قاتل حمزہ جب اسلام لایا ہے تو حضرت نے فرمایا اپنا منہ ہم سے چھپا لے کہ ہم اپنے دوستون کے قاتل کا منہ دیکھا نہین چاہتے حالانکہ اسلام نے قبل اسلام کی کل باتون کو مٹا دیا ہے تو پھر کیا حال ہو گا رسول اللہ کے قلب کا اوس شخص سے جس نے امام حسین کو ذبح کیا اور اونکے اہل حرم کو اسیر کرا کر شتران بے کجاوہ و عماری پر سوار کرایا۔

یہ ہین آثار غضب خدا اور رسول کے جو بعد شہادت امام حسین ع تمام عالم کے مشاہدہ مین آئے اور علمائے اہل سنت نے اون کی روایت کی اور کتابون مین لکھا اس کے بعد مسلمانون کو اختیار ہے کہ جو چاہین کرین اگر امام حسین ع قابل ہمدردی ہون تو اونکے اقامت عزا مین کوشش کرین اور اگر خدا اور رسول کے یہ احکام اس بارے مین کسی طرح قابل تعمیل نہ ہون تو پھر مولوی ثناء اللہ وغیرہ اشتہار بازون کی متابعت کرین

مگر اس قدر عرض کر دینا ضرور ہے کہ دیکھئے اس علالۃ ناصبیت وخارجیت کا موجد کون ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو عزاداری نہ کرنے مین پیرو خدا و رسول ہوتے ہین یا پیرو دشمنان خدا و رسول مرقاۃ شرح مشکوۃ ملا علی قاری مین ہے عن خالد بن معدان قال وفد المقدام بن معدی کرب وعمرو بن الاسود الی معویۃ فقال معویۃ للمقدام اعلمت ان الحسن بن علی توفی فرجع المقدام فقال له معویۃ اتراها مصیبۃ صفحہ ۵۰۱ جلد ۵۔

یعنے مقدام بن معدی کرب و عمرو بن الاسود کا وفد معویہ کے پاس آیا تو معویہ نے کہا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ حسن بن علی نے انتقال کیا تو مقدام نے یہ سنکر کلمہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہا معویہ نے کہا کیا تو اس کو مصیبت جانتا ہے؟

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خارجیون کا امام معویہ شہادت امام حسن ع کو مصیبت نہین جانتا تھا جس پر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا جا سکے۔ تو پھر پیروان معویہ سے کب اسکی امید ہو سکتی ہے کہ واقعہ شہادت کربلا کو مصیبت سمجھین اور گریہ و بکا کرین۔

مگر نہین یہ واقعہ ایسا جانکاہ ہے کہ خود یزید پلید کو بھی اسنے رولا دیا ہے تو اس خیال سے بھی خوارج کو اس غم مین مغموم ہونا مناسب ہے۔ صواعق محرقہ مین ہے

ولما انزل ابن زیاد راس الحسین و	یعنے جب ابن زیاد نے سر امام حسین ع اور سرہا
اصحابہ جہزها مع سبایا آل الحسین	اسیران اہل حرم روانہ شام کیا اور وہ لوگ
الی یزید فلما وصلت الیه قیل انه	داخل شام ہوئے تو یزید نے ترحم کیا اور ابن
ترحم علیه وتنکر ابن زیاد وارسل	زیاد پر اپنا غصہ ظاہر کیا اور حضرت کے
براسه وبقیۃ بنیه الی المدینۃ وقال	سر مبارک کو اور اہل بیت کو طرف مدینہ کے بھیجا

سبط ابن الجوزی وغیرہ المشهور
انه جمع اهل الشام وجعل ینکت الراس
بالخیزران وجمع بان اظهر الاول واخفی
الثانی بقرینة انه بالغ فی رفعة ابن
زیاد حتی اوصله علی نسائه قال ابن
الجوزی ولیس العجب الا من ضرب
یزید ثنایا الحسین بالقضیب وحمل
ال النبی صلی الله علیه وسلم علی اقتاب الجمال
ای موثقة فی الحبال والنساء مکشفات
الرؤس والوجوه وذکر اشیا من قبیح
فعله وقیل بل کانت الراس فی خزانة
الی ان سلیمان بن عبد الملک رای النبی
صلی الله علیه وسلم فی المنام یلاطفه و
یبشره فسئل الحسن البصری عن ذالک
فقال لعلک صنعت الی اله معروفا
قال نعم وجدت راس الحسین فی
خزانة یزید فکسوته خمسة اثواب
وصلیت علیه مع جماعة من اصحابی
وقبرته فقال له الحسن هو ذلک سبب
رضاه صلی الله علیه وسلم علیک فامر
سلیمان للحسن بجایزة سنیة وللاصل
ضرب یزید براس الحسین ما مر عند
وصول قیصر فقال متعجبا الخ عند تلانی

گیا سبط ابن الجوزی کہتے ہین کہ مشہور یہ
ہے کہ یزید نے بعد ورود اسیران کربلا اہل شام کو
کیا اور دندان مبارک کو چوب خیزران سے چھیڑنے
لگا ان دونون روایتون مین اسطرح جمع کیا
گیا ہے کہ اظہار ترحم وغیرہ تو ظاہری طور پر
تہا اور خوشی اوسکی شہادت امام کو باطنی
طور کیونکہ اوسکے بعد ابن زیاد کو اوسنے اس طرح
ترقی دینا شروع کیا کہ اپنے گھر کے اندر
لیجا کر عورتون سے سامنا کرا دیا۔
ابن الجوزی کہتے ہین تعجب ہے یزید سے
کہ کس طرح اوس نے دندان امام حسین
پر چھڑی ماری اور اہلبیت رسالت کو
کس طرح شتران بے کجاوہ پر سوار کرایا
جو سب بندھے ہوے تھے رسیون مین
اور منہ اونکے کھلے ہوئے تھے اسی طرح
بہت سے قبائح اعمال یزید کو ذکر کیا ہے
بلکہ کہا گیا ہے کہ امام کا سر مبارک خزانہ
یزید مین رہا بزمانہ سلیمان بن عبدالملک
کیونکہ سلیمان نے خواب مین رسول اللہ
کو دیکھا کہ حضرت اوسپر لطف و مہربانی فرما
رہے ہین اس خواب کی تعبیر اس نے
حسن بصری سے پوچھا تو حسن بصری نے
کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے نیکی کیا ہے

ی الجزائر دیر حافر حمار عیسی
نحن نحج الیه کل عام من الاقطار
وننذر النذر ونعظمه کما تعظمون
بتکم فاشهد انکم علی باطل و
قال ذمی آخر بینی وبین داود
سبعون ابا وان الیهود تعظمنی
وتحترمنی وانتم قتلتم ابن نبیکم
ولما کانت الحرس علی الراس کلما
لوا منزلا وضعوه علی رمح یحرسوه
فرآه راهب فی دیر فسال عنه فعرفوه
فقال بئس القوم انتم هل لکم فی
عشرة الاف دینار ویبیت الراس
عندی هذه اللیلة قالوا نعم فاخذه
وغسله وطیبه ووضعه علی فخذه
الی غار السماء وقعد یبکی الی الصبح
ثم اسلم لانه رای نورا ساطعا
من الراس الی السماء ثم خرج عن
الدیر وما فیه وصار یخدم اهل البیت
وکان مع اولئک الحرس دنانیر
اخذوها من عسکر الحسین ففتحوا
کیاسها لیقسموها فراوها خزفا و
علی احد جانبی کل منها ولا تحسبن
الله غافلا عما یعمل الظالمون وعلی

حضرت کے اہل بیت کے ساتھ جس سے وہ حضرت خوش ہوئے ہین تو سلیمان نے کہا ہان بیشک امام حسینؑ کا سر خزانہ یزید مین پایا تو اوسکو پانچ پارچہ کا کفن دیا اور اپنے دوست احباب کے ساتھ حضرتؑ نماز پڑھی اور قبر کھودوا کے دفن کیا حسن بصری نے کہا تو یہی سبب ہو اور یہی فعل تیرا موجب رضا رسول اللہ ہوا سلیمان نے اس تعبیر پر بہت سا انعام دیکر حسن بصری کو رخصت کیا

(شہادت امام حسین سنہ ۶۱ھ وفات سلیمان سنہ ۹۹ھ) ابن حجر لکھتے ہین کہ یزید نے جب اسطرح کی بے حرمتی سر مبارک سے کی تو اس وقت قیصر روم کا سفیر حاضر دربار تھا از راہ تعجب کہا کہ ہمارے ملک مین بعض جزائر ایک دیر حافر ہے جس مین حضرت عیسیٰ کے خر کا سم ہے جسکی تعظیم مین ہر سال ہلوگ جمع کرتے ہین اور ہدیہ و نذرات چڑھاتے ہین جس طرح تم لوگ خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے ہو تو اب ہم گواہی دیتے ہین کہ تم لوگ باطل پر ہو۔ ایک دوسرے ذمی نے کہا کہ ہم نسل حضرت داود سے ہین ستر پشت کا فاصلہ ہے اسپر یہود کی یہ حالت ہے کہ وہ جب ہمکو دیکھتے ہین تو تعظیم کرتے ہین اور تملوگ اپنے نبی کے فرزند کو قتل کر ڈالا کتنی

الاخر وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ ص ۱۱۹

بری قوم ہو تم لشکر والون کا قاعدہ تھا جب
منزل پر پہونچے تو امام حسین کا سر نیزہ پر
اور اوسکی حفاظت کیا کرتے ایکدفعہ ایکی منزل ایک راہب کے قریب ہوی اور اسی
طرح اون لوگون نے نیزہ پر سر چڑھایا تو اوس راہب نے حال دریافت کیا جب معلوم ہو
کہ یہ سر امام حسین ع کا ہے تو اوسنے دس ہزار اشرفیان اس غرض سے دین کہ ایک شب
یہ سر مبارک ہمارے پاس دیر مین رہے۔ راہب نے اوس سر اقدس کو غسل دیا او
عطریات سے معطر کرکے اپنے زانو پر رکھا اور تمام شب نوحہ و بکا کرتا رہا اور اسلام لا
کیونکہ اوسنے حضرت کے سر مبارک سے ایک ایسا نور ساطع دیکھا جو سر سے آسمان تک
تھا اوس راہب نے اپنے کو خدمت اہل بیت مین داخل کیا اور برابر خدمت کرتا رہا لشکر یز
نے جو امام حسین کے لشکر سے لوٹا تھا اوسمین کچھ اشرفیان بھی تھین جب تقسیم کے لئے وہ دیکھے
کئے تو وہ اشرفیان ٹھیکری نکلین جسپر ایک طرف کندہ تھا ولا تحسبن اللہ غافلا عما
یعمل الظالمون اور دوسری طرف سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

اس تحریر سے معلوم ہوا کہ یزید نے گو ظاہرداری ہی طور پر ہو جو بلوازم نفاق سے ہے غم ا
کی عظمت کی اور ترحم کیا فعل ابن زیاد کو ناگوار بتایا۔ تو کیا مولوی ثناء اللہ صاحب اور اون
طرفدارون مین یزید کے برابر بھی اسلام نہین جو اس مصیبت مین غم کرین اور اسکو روا
جانین چہ جائیکہ موقوفی عزا کے لئے وہ اشتہار شایع کرین اور سیکڑو نفع کمائین
کیا ان لوگو نہین سفیر قیصر روم اور راہب دیر کے برابر بھی اسلام نہین ہے جو اس غم خانگا
محزون ہوکر رسوم عزاداری کو انجام دین چہ جائیکہ اوس روز عید منائین لباس فاخرہ پہنین
لگائین جو یزیدیون مین آجتک جاری ہے۔

اب ہم اس مضمون کو یہین ختم کرتے ہین اور اہل اسلام سے امیدوار ہین کہ وہ اس تحر
ملاحظہ فرمائین کیونکہ جو کچھ لکھا گیا ہے احادیث صحیحہ اہلسنت سے ہے اسمین کوئی قول ہرگز
شیعیانہ کوئی روایت ہے نہ کتب شیعہ کی بلکہ تمامتر کتب معتبرہ اہل سنت سے ماخوذ ہے جسکا حوالہ
بھی دیدیا گیا ہے۔ اب اگر کچھ بھی غور فرمائین گے تو معلوم ہوگا کہ امام حسین ع نے

اسلام نے اس شہادت کو قبول کیا کہ شرع محمدی قایم ہو کیونکہ رسول اللہ کے زمانہ تک اصول دین کی بنیاد صرف قال اللہ و قال الرسول پر تھی خلافت اول سے اجماع خلافت دوم سے قیاس نے بھی دخل پایا۔ جناب امام حسینؑ نے اس اجماع خلافت شریعت کا نتیجہ دکھا دیا کہ یہی وجہ ہے دین اسلام کی غارت کرنے والی جسسے اسنے مداخلت پایا اسلام کا نقشہ بگڑ چلا اگر معمولی عقل والے اسکو نہ سمجھ سکے کہ اجماع سے دین مین کیا خرابی آسکتی ہے لہذا آپنے بدیہی کر دکھایا کہ دیکھو اسی اجماع کا یہ نتیجہ ہے کہ ہم اسطرح شہید ہو رہے ہین حالانکہ حضرت ہر دفعہ حملہ مین یہ اشعار پڑھ رہے تھے ولما حمل علیهم وسیفه مصلت فی یده انشاء و یقول۔ صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۷۔

انا ابن علی الخیر من آل هاشم   کفانی بهذا مفخرا حین افخر
مین ہون فرزند علی جو بہترین خاندان بنی ہاشم   سے ہین یہی فخر ہمارے لیے کافی ہے جب ہم فخر کرین
وجدی رسول الله اکرم من مشی   ونحن سراج الله فی الناس یزهر
جد میرے رسول اللہ ہین جنسے بہتر آجتک کوئی پیدا نہ ہوا   اور ہم خدا کے روشن چراغ ہین جو آدمیون مین روشن ہو رہا ہی
وفاطمة امی سلالة احمد   وعمی یدعی ذی الجناحین جعفر
مادر گرامی ہماری فاطمہ ہین دختر رسول اللہ   اور چچا ہمارے جعفر طیار ہین جو بازوؤن سے پرواز کرتے ہین
وفینا کتاب الله انزل صادق   وفینا الهدی والوحی والخیر یذکر
ہمارے ہی یہان کتاب خدا نازل ہوئی صادق وفا   اور ہم ہی مین ہدایت وحی خیر جو ہمیشہ یاد رہیگی

مطلب ان اشعار کے ظاہر ہین کہ حضرت نے اپنے حسب و نسب شرافت جلالت کو ظاہر فرمائے ہین اور تمام عالم کو بتا رہے ہین کہ کتاب ہمارے گھر نازل ہوئی ہدایت وحی خیر سب ہمین ہے مگر ایک اجماع نے کتاب و سنت سب کو مٹا دیا۔ اسلیئے اجماع کے علمدار یعنے قاتل امام حسینؑ خود ابن زیاد کے روبرو کہہ رہا ہے۔ املاء رکابی فضة و ذهبا فقد قتلت الملک المحجبا × ومن صلی القبلتین فی الصبا × وخیرهم اذ یذکرون النسبا × قتلت خیر الناس اما و ابا۔ صواعق محرقہ ص ۱۱۸۔ یعنی اے امیر ہمارے جانورون کی بار کو چاندی اور سونے سے بھر دے کہ ہم نے اوس بادشاہ کو قتل کیا جو پوشیدہ رہتا یا اوس

رچھپا رہا اور اوس کو جسنے لعل یمن دونون قبلے کیطرف نماز پڑھی ۔ یہ وہ شخص تھا جو از راہ نسب سب سی بہتر تھا اور جو شرافت پدری و مادری کی رو سے سب سی بہتر تھا ان اشعار مین بھی اوسکی تصدیق ہے جو حضرت فرماتے تھے کہ اجماع نے نہ شرافت کا خیال کیا نہ جلالت کا نہ عظمت کا نہ ملکرنیت کا ۔

بہرحال چونکہ اس تحریر کی ابتدا صوم سے ہوئی تھی کہ مولوی ثناء اللہ ایڈیٹر اہل حدیث نے اپنے اشتہار فیصدی ۹۹ مین لکھا تھا ۔ ماہ محرم کی ۹ و ۱۰ تاریخ کو روزہ رکھنا سنت ہے لہذا آخری دلیل اور برہان لکھدی جاتی ہے جسکے بعد پھر کوئی سنی کو اسکے قبول مین عذر نہو گا اور انشاء اللہ وہ اس بدعت سے نجات پائینگے کہ روز شہادت امام حسین ؑ کو عید بنا کر روزہ رکھین ازالۃ الخفا مین ہے ابوبکر عن عبد الرحمن بن القاسم کان عمر لا یصومہ یعنی صوم عاشورا ص ۱۰۲ یعنی ابوبکر عبدالرحمن بن قاسم سے روایت کرتے ہین کہ عمر عاشورا کے روزہ روزہ نہین رکھتے تھے تو کیا کوئی سنی کہہ سکتا ہے کہ عمر صاحب اوس فریضہ یا سنت کے تارک تھے جسے رسول اللہ نے نہایت اہتمام سی سیکھا تھا خدا لعنت کرے اون لوگونپر جو رسول اللہ پر ایسی تہمت کرتے ہین ۔ اور بدعت کو سنت کہتے ہین ۔ خلاصہ یہ کہ ماہ محرم خاندان رسالت کے لئے واقعہ کربلا کے بعد سے ایسے غم و ہم کا مہینہ رہا ہے کہ کل حضرات اس مہینہ کے دس روز مین ہمیشہ غم اور حزن کرتے رہے ہنسنا تفریح مذاق سب موقوف رہا بجز آہ و غم کے کوئی شغل نہ رہا لہذا جملہ اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ تباسی ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اس دس روز مین غم امام حسین ؑ مین مغموم رہین اور کسی طرح کا کھیل کود تماشا لہو و لعب جائز نہ رکھین شب و روز مجالس اور ذکر فضایل و مناقب و مصائب کربلا مین مشغول رہین اور جہان تک ہو سکے ہر جگہ عزائے امام مظلوم قایم کرین جسکی ثنا دایا کرم مع محمد المصطفی و آلہ البررۃ الاتقیا ۔ تمت

نوٹ ضروری ۔ جہان جہان امرتسری وہابی کا اشتہار جاتا ہے وہان مومنین پر لازم ہے کہ ایک نسخہ تحقیق صوم عاشورا کا بلا قیمت طلب فرمائین صرف محصولڈاک کیلئے ایک آنہ کا ٹکٹ آنا چاہئے ۔ اگر زاید نسخے درکار ہون تو اوسی حساب سے ٹکٹ روانہ کرین مگر جو حضرات خریدار اصلاح ہین اونکو یہ رسالہ نہین جائیگا صرف ایسے اشخاص کے لئے بلا قیمت جا سکتا ہے جنکو مخالفین کچھ تردد لاتے ہون ورنہ شائقین کیلئے قیمت ۲ر منیجر اصلاح کھجوہ ڈاکخانہ بازار بندی ضلع سارن سے بلا قیمت طلب کرین فقط

۲۰۹۶
۲۴
۵۶۹۲۴
۹۲

الجمرۃ

من تصنیفات السید السند
والحبر المعتمد وحید العصر
فرید الدھر محی السنۃ
قامع البدعۃ فخر الحکماء ظہیر
العلماء مولانا السید علی اظہر
دامت برکاتہ و زادت افاداتہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین **اما بعد** اس رسالہ مین ہم صرف مسئلہ کلوخ کو بیان کرتے ہین کہ وہ بدعت ہی ذوالفقار حیدر جلد چہارم سے یہ مسئلہ بھی علیحدہ کیا گیا۔ تاکہ اہل سنت کو عموماً اور اہل حدیث کو خصوصاً معلوم ہو کہ دعوائے اتباع سنت رسول مین کہانتک وہ راست گو ہین چونکہ رسالۃ الوضو نے عام طور پر بدعت مسئلہ غسل قدمین کا بہ ایجاد و اجتہاد خلیفہ دوم رائج ہونا ثابت کردیا جس سے بعض حضرات نے مذہب حق کو قبول بھی کیا۔ لہذا

ان کی حق پسندی اور دعوے اتباع سنت سے امید قوی ہے کہ اس بدعت کو ترک کر کے سنت رسول اللہ پر عمل کرینگے جو مقدمۂ طہارت ہے اور بغیر طہارت نماز صحیح نہین جیسا کہ امام نووی شرح صحیح مسلم مین لکھتے ہین۔

وسبب کونهما کبیرتین ان عدم التنزہ من البول یلزم منه بطلان الصلوٰۃ فترکها کبیرۃ بلاشك ص ۱۴۱

یعنی کبیرہ ہونا اسکا اس سے ثابت ہے کہ بول سے احتراز نہ کرنا باعث بطلان نماز ہے تو اسکا ترک کرنا کبیرہ ہے بلا شک وریب

اسلیے مین نے یہ رسالہ محض قربۃً للہ تحریر کیا تاکہ تمام مسلمانون کو معلوم ہو کہ **اصل سنت رسول ؐ طہارت بول** کے بارے مین یہی ہے کہ پانی سے اسکی طہارت کی جاے نہ کلوخ وغیرہ سے جو بدعت ہے۔ اس رسالہ کی غرض نہ سنی کو شیعہ بنانا ہے نہ حنفی کو اہل حدیث (وہابی وغیرہ) بلکہ یہ مقصود ہے کہ ہر فرقہ یا ہر شخص اپنے مذہب پر باقی رہ کر بھی اتباع سنت کر سکتا ہے جس سے علاوہ قومی اتحاد کے یہ فائدہ ہوگا کہ کتاب و سنت پر کچھ تو عمل ہو جاے۔ اور مخالفین اسلام کی نظرون مین معلوم ہوگا کہ کل مسلمان ایک شریعت کے پابند ہین اور خدا اور رسول واحد کے پیرو ہین۔ محض اسی خیال سے یہ رسالہ لکھا گیا کہ لوگ بدعت سے بچین اور سنت کے عامل ہون۔ کیونکہ نماز اہل حدیث کے یہان اصول دین مین داخل ہے اور وہ بغیر طہارت ہو نہین سکتی۔ لہذا کل مسلمانون پر فرض ہے کہ وہ سنت کی پیروی کرین اور بدعت سے جو ضلالت ہے پرہیز کرین اسلیے محض انھین کتابون سے استدلال کیا جائے گا جو تمامی اہل سنت کے یہان نہایت صحیح و مستند مانی جاتی ہین اور کسی کو اسکے اعتبار و اعتماد مین عذر نہین ہو سکتا۔

ہم جب ان مسائل پر نظر ڈالتے ہین جنمین دو اسلامی فریق حنفی۔ وہابی لڑے مرتے ہین عدالتون تک جاتے ہین تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ ان مسائل مین

کیون اسقدر کج بحثیان ہو رہی ہین مثل رفع یدین۔ امین بالجہر وغیرہ کے جو محض مہمل ہین۔ یا نماز مین ٹخنون کے چھپانے اور نہ چھپانے مین لڑتے ہین یا یہ کہ عیدین کی نماز صحرا مین ہونی چاہئیے یا مسجد مین۔ اور ایسے مسائل سے کوئی بحث نہین کرتا جس کے۔ روزہ نماز حج وغیرہ سب باطل ہو یعنی طہارت جسپر تمام مسلمانون کا اتفاق ہی کہ بغیر اسکے نہ آمین بالجہر والون کی نماز درست ہوسکتی ہے۔ نہ آمین بالاخفات والون کی نہ رفع یدین کرنیوالونکی نماز صحیح ہوسکتی ہے نہ اسکے مخالف کی۔

افسوس طہارت ایسے عظیم الشان مسئلہ سے یون چشم پوشی کیجاے اور کسیکو اسکا خیال نہو حالانکہ خداوند عالم کسقدر اس بارے مین تاکید فرماتا ہے کہین تو فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المتطہرین فرماتا ہے اور کہین ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مسئلہ طہارت کیسا اہم اور ضروری ہی جسکے بارے مین اسقدر تاکید مین خود خداوند عالم فرماتا ہی۔ اور کل علما و محدثین و فقہانے شریعت کی کتابون مین اسی کو مقدم رکھا ہے مگر افسوس کہ اہل سنت کے طرز عمل سے اس طرح کی بے پروائی ہوتی ہے کہ آپ فریقین (حنفی و وہابی) کے معرکہ کارزار مین کبھی ان بحثون کو آتے نہ دیکھین گے۔ اسلیے مین نے عام طور پر فریقین کو مخاطب بنانا چاہا کہ شاید اسکی ضرورت محسوس ہو اور طہارت کا خیال آے کہ اس مین اتباع سنت ضروری ہی۔ کیونکہ خدانے مشرکون کو نجس فرماکر اس طرح علحدہ کیا کہ کسی طرح ان کے طہارت کی بغیر قبول اسلام امید ہی نہین کی جاسکتی۔ اب اگر مسلمان لوگ بھی پابند طہارت نہ ہون گے تو مس قرآن کیونکر کرسکتے ہین جس کے بارے مین فرماتا ہے لا یمسہ الا المطہرون۔ پھر اس طہارت ہمہ نجاست کے ساتھ اگر مس قرآن کیا تو گنہگار ہوے۔ اور

نماز پڑھائی تو اور بھی خطا کار۔

پہلے ہم کو نہایت افسوس سے یہ دکھانا پڑتا ہے کہ اس کلوخ مین اہلسنت تمامتر سنت کے خلاف بلکہ بدعت کے مطابق عمل کرتے ہین حضرت حجۃ الہند شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب ازالۃ الخفا مین ایک خاص رسالہ لکھتے ہین۔ جس مین خلیفہ دوم کے مذہب خاص اور اجتہادات خاصہ کو جمع کرتے ہین اس مین رقم طراز ہین۔

مذاہب ابی بکر عن یسار بن نمیر کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحایط او بحجر ولم یمسہ بماء قلت اجمع علی ذلک علماء اہل السنۃ ولیس فیہا حدیث مرفوع وانما ہو مذہب عمر قیاسا علی الاستنجاء من الغائط اطبق علی تقلیدہ العلماء ص ۸۲ مقصد ۲۔

یعنی ابوبکر نے یسار ابن نمیر سے روایت کی ہے کہ عمر جسوقت پیشاب کرتے تھے تو مسح کرتے تھے اپنے ذکر کو کبھی دیوار سے یا پتھر سے اور اوسکو پانی سے نہین دھوتے تھے شاہ صاحب کہتے ہین کہ اسپر اجماع کیا ہے علماے اہل سنت نے حالانکہ اس بارے مین ہرگز ہرگز کوئی حدیث مرفوع نہین ہے یہ فقط مذہب عمر ہے بنا بر قیاس استنجا من الغائط کے اور کلوخ لینے پر اتفاق کیا ہے بالاطباق تمام علما نے اس عبارت پر بطور فائدہ لکھا ہے۔ **استنجا بکلوخ بعد پیشاب سنت عمر است**
اور مولوی عبد الحی صاحب حاشیہ شرح وقایہ مین لکھتے ہین۔

واما فی البول فالغسل بالماء ثابت بہذہ الروایۃ واما استعمال الحجر فیہ فلم اطلع علی حدیث صریح یدل علیہ ان النبی فعلہ

ثم ثبت ذلک صحیحا عن عمر انہ کان یبول ویمسح ذکرہ بحجر او تراب لم یمسہ الماء اخرجہ عبد الرزاق فی مصنفہ وابو نعیم فی الحلیہ والطبرانی فی الاوسط یعنی پیشاب کی طہارت پانی سے تو اس روایت سے

ثابت ہے مگر کلوخ لینا حضرت کا کسی حدیث صریح سے نہین معلوم ہوتا کہ حضرت نے کبھی کلوخ لیا ہو۔ پھر لکھتے ہین ہان فعل عمر سے البتہ بصراحت ثابت ہو کہ وہ جب پیشاب کرتے تو پتھر یا خاک سے پونچھ ڈالتے اور پانی سے نہین طہارت کرتے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق حلیۃ الاولیا ابونعیم واوسط طبرانی مین مذکور ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حضرات اہلسنت باتفاق سنت عمری کے عامل ہین اور اس مادہ مین کوئی حدیث نہین ہے اسپر بھی دعواے عمل بر سنت رسول موجب حیرت نحول ہو اب نہ معلوم کہ اسکو بھی احداث یعنی بدعت فی الدین کہین گے یا نہین کہ صریح خلاف کتاب و سنت رسول ہے اور غالباً اسکے بدعت اور قابل شمار ہونے مین بھی کوئی عذر نہو کیونکہ حدیث حذیفہ سے معلوم ہے کہ تین سو آدمی اگر اس بدعت کی پیروی کرین تو قابل شمار ہے اور اس بدعت کے تابع و مقلد تو تمامی اہل سنت ہین۔

اگرچہ اس تصریح کے بعد اسکی ضرورت نہین کہ ہم اس فعل کے جواز و عدم جواز کی بحث کرین کیونکہ باتفاق تمامی اہل اسلام مسلم ہے کہ خدا و رسول کے سوا بلکہ بجز خداوند عالم کسی کو احکام تشریعی مین دخل نہین نہ کسی کے حکم پر کوئی عمل کر سکتا ہے۔ پھر صرف اجتہاد یا قیاس یا مذہب عمری پر کوئی مسلمان کیونکر عمل کر سکتا ہے حالانکہ تمام نصوص صریحہ سنت رسول کی ہمارے پاس موجود ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا طرز عمل اس بارے مین کیا تھا۔ اسکے برخلاف سنت عمری پر عمل کرنا کیونکر جائز ہے پہلی تفسیر آیۂ فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین ملاحظہ ہو معالم التنزیل مین ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ؑ قال نزلت ہذہ الآیہ فی اہل قبا فیہ رجال یحبون ان یتطہروا

لہ ذوالفقار حیدر جلد ثانی و ثالث ملاحظہ ہو۔ عہ ملاحظہ ہو رسالہ الوضو۔

قال ھ کانوا یستنجون بالماء نزلت فیھم الآیہ۔ ابوہریرہ سے روایت ہی
رسول اللہ ص سے کہ یہ آیت نازل ہوئی اہل قبا کی تعریف مین وہ لوگ استنجا
کرتے تھے پانی سے قال عطا کانوا یستنجون بالماء ولا ینامون اللیل
علی جنابة۔ کہا عطا نے کہ وہ لوگ استنجا کرتے تھے پانی سے اور حالت
جنابت مین شب کو نہ سوتے تھے جب تک غسل نہ کرلین ص۲۳۱

اور تفسیر آیۂ واذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن مین لکھا ہے
قال طاوس عن ابن عباس ابتلاہ اللہ بعشرة اشیاء وھی الفطرة
خمس فی الراس قص الشارب والمضمضہ والاستنشاق والسواک وفرق الراس وخمس
فی البدن تقلیم الاظفار ونتف الابط وحلق العانہ والختان والاستنجاء بالماء ص۵۴
طاوس ابن عباس سے روایت کرتے ہین کہ خدا نے حضرت ابراہیم کی آزمائش
لی دس چیزون مین جو مطابق فطرت ہین شارب ترشوانا مضمضہ کرنا ناک
مین پانی دینا مسواک کرنا۔ سر کے بالون کا جدا کرنا (مانگ نکالنا) اور پانچ
چیزین تمام بدن مین ہین ناخن ترشوانا۔ بغل کے بالون کا صاف کرنا
حلق عانہ۔ ختنہ کرنا۔ آبدست لینا پانی سے۔ ان آیتون سے اتنا تو بالیقین
ثابت ہوا کہ خداوند عالم اُن لوگون کی مدح و ثنا کر رہا ہے اور اپنی محبت
ظاہر کرتا ہو اُنسے جو پانی سے استنجا کرتے ہین۔

تو اب کون مسلمان ہو گا جو اسکی نہ خواہش کریگا کہ ہم بھی اُسی طہارت کے
پابند ہون جس سے حبیب خدا ابن سکین اور وہ طہارت یہی پانی والی ہو پاخانہ
اور پیشاب مین علامہ شیخ علی دوہ کتاب محاضرات الاوائل والاواخر
مین تاریخ القدس سے ناقل ہین اول من استنجی بالماء ونتف الابط
ابراھیم ص۵ کہ سب سے پہلے جسنے پانی سے استنجا کیا وہ حضرت ابراہیم
علیہ السلام ہین تو اب کوئی مسلمان اُس سنت ابراہیمی سے کیونکر عدول
کرسکتا ہو جسکی تجدید کی سنت محمدی نے اور خداوند عالم فرماتا ہو ومن

یرغب عن ملة ابراھیم الا من سفه نفسه پس باوجود ملاحظہ ان آیات و احادیث صریحہ کے اس سے مخالفت کرنا اور سنت عمری پر عمل کرنا کیا حکم من سفه نفسه مین نہین داخل ہوگا۔ اب اسکے بعد وہ روایتین ملاحظہ ہون جن سے معلوم ہو کہ طہارت بول (پیشاب) کے بارے مین کسقدر تاکید ہے اور عذاب قبر زیادہ تر اسی سبب سے ہوتا ہے کہ لوگ پیشاب سے احتراز نہین کرتے

صحیح بخاری مین ہے باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله حدثنا عثمان قال ثنا جریر عن منصور عن مجاهد عن ابن عباس قال مر النبیؐ بحایط من حیطان المدینة او مکة فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورهما فقال النبی ما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدهما لا یستتر من بوله وکان الآخر یمشی بالنمیمة ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین فوضع علی کل قبر منهما کسرة فقیل له یا رسول الله لم فعلت هذا فقال لعله ان یخفف عنهما ما لم تیبسا صـ ۱۵۹

ایضا باب ما جاء فی غسل البول صـ ۱۶۰

ایضا باب صـ ۱۶۰

ابن عباس سے روایت ہے کہ گذر ہوا رسول اللہؐ کا ایک باغ خرما مین باغہاے مدینہ سے اور سنی آواز دو آدمیون کی جنپر عذاب ہو رہا تھا اُنکی قبرون مین تو فرمایا حضرت نے دونون عذاب کیے جا رہے ہین۔ اور نہین عذاب ہوتا ہے اُنپر کسی بڑے امر مین پھر کہا ہان ایک ان دونون سے نہین پرہیز کرتا تھا اپنے بول سے۔ اور دوسرا چغلی کھاتا تھا پھر منگائی ایک ڈالی تر خرما کی اور اُسکو دو ٹکڑے کرکے دونون قبرون پر رکھدیا پس کہا کسی نے کیون ایسا کیا یا رسول اللہ تو فرمایا شاید کم کردیا جاے عذاب اُن دونون کا جبتک یہ دونون لکڑی خشک نہ ہو جائین۔

اسکی شرح مین حافظ ابن حجر لکھتے ہین جسکا خلاصہ بقدر ضرورت عرض کیا جاتا ہے

اعمش کی روایت مین ہی بقبرین اور ماجہ مین ہی جدیدین (دونون قبرین تازہ تھین) ابن بطال نے استدلال کیا ہی کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف گناہ کبیرہ ہی سے نہین بلکہ گناہ صغیرہ پر بھی عذاب ہوتا ہے کیونکہ بول سے احتراز کرنے کے بارے مین کوئی حدیث (خوف دلانے کی) اسکے پہلے نہین وارد ہوئی تھی (توکیا اسکے قبل جتنی آیتون مین حکم طہارت مذکور ہے اسکی تعلیم رسول اللہ نے نہین کی تھی) اور اسمین بھی اختلاف ہی کہ حضرت نے جو فرمایا وانہ لکبیر۔ تو اس سے کیا مراد ہے ابو عبدالملک یون کہتا ہے کہ ممکن ہے حضرت نے اسکو پہلے گناہ کبیرہ نہ سمجھا ہو بعد اسکے وحی نازل ہوئی کہ یہ کبیرہ ہے۔ لہذا اسکی تلافی کی کہ بلی (کیا اچھی قدردانی علم رسول ہے) (۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہ لکبیر کی ضمیر عذاب کی طرف پھرتی ہو جیسا کہ صحیح ابن حبان مین ہے حدیث ابوہریرہ سے کہ ان دونون پر عذاب شدید ہوتا تھا ہلکے گناہ مین (۳) یہ بھی ہوسکتا ہی کہ ضمیر نمیمہ کی طرف پھرتی ہو جو دونون گناہون سے ایک گناہ ہے اور وہ کبیرہ ہے بخلاف کشف عورت کے (جسکے مطلب یہ ہوے کہ بول سے پرہیز نہ کرنے پر عذاب نہین تھا بلکہ نمیمہ پر عذاب ہوتا تھا۔ حالانکہ حضرت بتصریح فرماتے ہین بلی کان احدھما لا یستتر من بولہ یعنے ایک ان دونون سے جنپر عذاب ہورہا ہے پیشاب سے احتراز نہین کرتا تھا بہرحال خود حافظ ابن حجر اس احتمال کو رد کرتے ہین) (۴) داودی ابن عربی نے کہا ہی کہ حضرت نے جو اسکے کبیرہ ہونے کی پہلے نفی کی تو مراد اس سے یہ ہی کہ اکبر کبائر سے نہین ہے مثل قتل وغیرہ کے اگرچہ خود فی الجملہ کبیرہ ہے (۵) یہ کہ بصورت ظاہری وہ کبیرہ نہین ہے۔ مگر گناہ کی حیثیت سے کبیرہ ہے (۶) یہ کہ ان لوگون کے نزدیک (جنپر عذاب ہورہا ہے) یا مخاطبین کے نزدیک وہ کبیرہ نہین ہے مگر خدا کے یہان کبیرہ ہے

جیسا کہ خدا نے فرمایا وتحسبونہ هینا وھو عند الله عظیم (وہ لوگ اُسے ہلکا گمان کرتے ہین حالانکہ خدا کے نزدیک وہ عظیم ہے (۷) یہ مراد ہی کہ پیشاب سے احتراز کرنا اور پرہیز کرنا کچھ بڑی بات نہ تھی اگر کوئی مشقت ہوتی ہو (بلکہ بہت آسان ہے اسپر بھی اسکا خیال نہ کیا) بغوی وغیرہ نے اسی احتمال کو یقینی کہا ہے اور ابن دقیق العید وغیرہ نے اسکو ترجیح دیا ہے (۸) یہ بھی محتمل ہے کہ اسکے کبیرہ ہونے کی نفی اسوجہ سے کی کہ صرف پرہیز نکرنا بول سے کبیرہ نہین ہے۔ مگر اسپر اصرار اور مواظبہ کرنا البتہ کبیرہ ہے۔ چنانچہ اسکی تائید بھی خود ان روایتون سے ہوتی ہے جن سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ اُن لوگون کو یہی عادت تھی تمام ہوا ترجمہ ابن حجر بقدر ضرورت۔

اِن اختلافات کی نقل سے ہمارا مطلب صرف اسقدر ہی کہ اہل سنت کو معلوم ہو کہ نجاست بول سے پرہیز نکرنا باعتراف انکے علما کے گناہ کبیرہ ہے خواہ بوحی اسکا علم ہو یا اُن مردون کے اور مخاطبین کے اعتقاد مین وہ گناہ کبیرہ نہو۔ حضرت عمر نے اسکو ایسا خفیف بنایا کہ اب کوئی شخص اسکو گناہ صغیرہ بھی نہین جانتا چہ جائیکہ کوئی گناہ کبیرہ سمجھے۔

پھر لکھتے ہین "اکثر روایتون مین لا یستتر ہے تو مراد اس سے یہی کہ وہ اپنے اور بول کے درمیان مین ستر نہین کرتا تھا یعنی پرہیز نہین کرتا تھا اس صورت مین وہ روایت بھی اسکے مطابق ہو جائیگی جس مین لا یستنزہ ہے کیونکہ تنزہ کے معنی دوری کے ہین اور روایت ابن عساکر مین لا یستبری ہی استبرا سے کہا ابن دقیق العید نے کہ سیاق حدیث دلالت کرتا ہے اسپر کہ بول کو عذاب قبر سے خاص لگاؤ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث کے فقرہ لا یستتر سے کشف عورت نہین مراد ہے کیونکہ صحیح ابن خزیمہ مین ہے ابوہریرہ سے کہ اکثر عذاب قبر

بوجہ پیشاب کے ہے یعنی بہ سبب بے احتیاطی اور پرہیز نہ کرنے کے پیشاب سے چنانچہ ابو بکرہ کی روایت کہ ایک آمین سے پیشاب کے بارے مین عذاب کیا جاتا تھا۔ اسی کی مؤید ہے جیسا کہ امام احمد و ابن ماجہ نے روایت کی اور طبرانی نے بھی مثل اسکی نص سے روایت کی ہے۔ افسوس ہے کہ ان شارحین نے یہ نہ لکھا کہ وہ کس طرح کی بے احتیاطی کرتے تھے جس سے اُنپر عذاب قبر ہوا کیونکہ یہ تو ہو نہین سکتا وہ صحابی اس پیشاب کو پاک سمجھتے ہون جسکی نجاست[۵۱] ضروری دین سے ہو جسکا منکر کافر ہے اور وہ لوگ ایک زمانہ تک صحبت رسول سے مستفید ہوتے رہے کیونکہ ایک راوی اس روایت کے حضرت ابو ہریرہ بھی ہین جو ۷ھ کے بعد ایمان لائے۔ لہذا یہ گمان تو ہو نہین سکتا کہ وہ مطلقاً اسکی طہارت نہ کرتے ہون چنانچہ الفاظ حدیث بھی اسپر دال ہین۔ تو ضرور ہوا کہ ان لوگون کی طہارت یہی ہوگی کہ مطابق مذہب حضرت عمر کلوخ لیتے ہون اور یہی باعث عذاب قبر ہوا کیونکہ یہ طہارت مطابق شریعت نہ تھی

اسکے بعد اس جملہ کی شرح مین کہ حضرت نے درخت خرما کی تر ڈالی منگا کر دونون قبرونپر رکھ دی لکھتے ہین اور جو کچھ[۵۲] مسلم نے جابر سے اس بارے مین روایت کی ہے ایک طولانی حدیث مین کہ جابر ہی دونون ڈالیان کاٹ لائے۔ تو یہ دوسرا واقعہ ہے کیونکہ اولاً بخاری والی روایت کا قصہ خاص مدینہ کا ہے کہ بہت سے صحابہ حضرت کے ساتھ تھے۔ اور مسلم والی روایت سفر سے متعلق ہے کہ حضرت پاۓخانہ تشریف لے جاتے تھے اور جابر ساتھ تھے۔

---

[۵۱] دیکھو روضہ ندیہ ۱۲

[۵۲] اس تقریر کی وجہ یہ ہے کہ بخاری مسلم کی حدیثون مین اختلاف تھا اسلیے یہ تقریر کی گئی کہ دونون حدیث صحیح ہی ۱۲ منہ

ثانیاً بخاری والی روایت مین یہ ہے کہ حضرت نے دو ٹکڑے کرکے دونون قبرون مین گاڑ دیا بخلاف روایت مسلم کہ اسمین حضرت نے جابر کو حکم دیا کہ اُن دونون درختون کی دو ڈالیان کاٹ لائین جنکی آڑ مین حضرت قضاے حاجت کیلیے بیٹھے تھے اسکے بعد جابر کو حکم دیا کہ داہنے بائین اُن ڈالیون کو ڈالدین جہان حضرت بیٹھے ہوے تھے اسپر جابر نے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا میرا گذر دو قبرون پر ہوا جنپر عذاب ہو رہا تھا۔ لہذا مین نے چاہا کہ میری شفاعت سے کچھ اُن کو تخفیف ہو جبتک دونون ڈالیان تر رہین پس معلوم ہوا کہ دونون روایتین (بخاری و مسلم کی) دو واقعہ سے متعلق ہین اور کوئی تعجب نہین کہ یہ قصہ چند مرتبہ ہوا ہو چنانچہ مؤید اسکی روایت صحیح ابن حبان بھی ہے ابوہریرہ سے کہ حضرت کا گذر دو قبرون پر ہوا تو وہان توقف کیا اور دو ڈالیان خرما کی منگوائین ایک کو سرھانے رکھا اور دوسری کو پیر کی طرف تو اب یہ تیسرا قصہ ہوگا۔ اور مؤید اسکی روایت ابو رافع بھی ہے کہ حضرت نے دو ٹکڑے کرکے ایک سر کی طرف رکھا اور دوسرا پیر کی طرف اور قصۂ واحدی مین ہے (جس مین ایک ہی قبر کا ذکر ہے) کہ حضرت نے ایک نصف تو سرہانے رکھا اور دوسرا نصف پیر کی طرف اور قصہ اثنین مین ہے کہ ہر قبر پر ایک جریدہ رکھوایا۔

فقرہ مالم ییبسا کی شرح مین لکھتے ہین کہ کہا مازری نے ممکن ہے کہ حضرت کو وحی معلوم ہوا ہو کہ جبتک وہ دونون خشک نہونگی تخفیف عذاب رہیگی۔ اور کہا گیا ہے کہ حضرت نے اتنی مدت کے لیے شفاعت کی ہو کہا خطابی نے کہ حضرت نے دعا کی ہوگی تخفیف کی جبتک تر رہے نہ یہ کہ جریدہ کو کوئی خصوصیت ہو یا تر کو زیادہ خصوصیت بہ نسبت خشک کے (یہ سب عقلی تکے ہین گویا فعل رسول عبث تھا اور یہ سب اہتمام لغو تھا معاذ اللہ من ذلک) اور کہا گیا ہے کہ جب تک جریدہ مین

تری رہتی ہے تسبیح خدا کرتا ہے تو برکت تسبیح سے تخفیف عذاب ہوتا ہی (نہ نفس جریدتین سے یہ صریح مخالفت نص رسول سے ہے اسیوجہ سے ابن حجر فرماتے ہین) اگر یہ مانا جاے کہ جتنے درخت ہین سب اُسمین شریک ہین جو تر ہونگے اور یہی حال ہی اُن چیزون کا جن مین برکت ہے مثل ذکر تلاوت قرآن کے تو اس سے بدرجہ اولی تخفیف عذاب ہوگا۔

کہا طیبی نے اسکی حکمت ہمکو معلوم نہین کیون تری رہنے سے عذاب نہو گا جیسا کہ زبانیہ کی تعداد نہین معلوم۔

(اور مستنکر (ناجائز) جانا ہی خطابی نے جریدتین کے رکھنے کو قبر پر بنیاد اس روایت کے (کیونکہ فعل رسول ہی!)

کہا طرسوی نے (وجہ استنکار مین) اسوجہ سے کہ یہ برکت خاص تھی حضرت کے ہاتھ کے ساتھ۔ کہا قاضی عیاض نے اسوجہ سے جریدتین کا رکھنا مستنکر ہے کہ حضرت نے خبر غیب بیان کی کہ چونکہ اُنپر عذاب ہو رہا تھا اسوجہ سے جریدتین گاڑ دی گئی۔ تو چونکہ یہ امر غیب سے متعلق تھا کہ حضرت کو معلوم ہوا لہذا اب ایسا نہ کرنا چاہیے (کیا معلوم کہ اب عذاب ہوتا ہے یا نہین) قلت) ابن حجر کہتے ہین کہ ہمارے اس نہ جاننے سے کہ عذاب ہوتا ہی یا نہین یہ ضرور نہین ہے کہ وہ کام نہ کرین جس سے تخفیف عذاب ہو جیسا کہ حال رحمت خدا نہ جاننے سے یہ نہین ہو سکتا کہ ہم دعاے رحمت نہ کرین اور نیز سیاق روایت مین بھی یہ نہین ہے کہ حضرت نے یہ کام کیا ہو بلکہ محتمل ہے کہ حضرت نے اسکا حکم دیا ہو۔ چنانچہ اسکی تاسی کی بریدہ بن حصیب صحابی نے کہ وصیت کی اسکی کہ ان کی قبر پر دو جریدہ رکھا جاے جیسا کہ باب جنائز مین مذکور ہوگا تو وہ زیادہ مستحق ہین اسکے کہ پیروی کیجاے اُنکی صـ ۱۶۰

ان روایات اور اقوال سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اہل سنت مین کس درجہ دیانت داری ہو اور خدا ترسی اور کس درجہ اتباع سنت رسول ہے کہ حضرت تو اس درجہ

ہین تاکید فرمائین کہ ایک مرتبہ نہین بلکہ خود چند مرتبہ کرکے دکھائین۔ اور لوگون کو بتائین اور یہ حضرات اسکو خلاف عقل سمجھین اور قابل مضحکہ جانین اور صرف اسوجہ سے کہ اس کی حکمت اُن کی سمجھ مین نہین آتی اس سنت کو موقوف کردین۔ حالانکہ خود ناقل ہین کہ حضرت بریدہ بن حصیب صحابی نے اسکی وصیت کی مگر لوگ بمخالفت حکم رسول اسکو مستنکر اور ناجائز جانین **اس سے بڑھکر اتباع سنت رسول کی کیا دلیل ہوسکتی ہے۔**

افسوس کہ اُصول دین مین جہان اجتہاد واجب ہی یہ لوگ عقل کو اسدرجہ معطل کردیتے ہین کہ کوئی اُسکو تمیز ہی نہین رہتی نہ کسی چیز کا اسکو حسن معلوم ہوتا ہے نہ قبح۔ اور عبادات مین جہان صرف تعبد درکار ہے وہان یہ لیت ولعل کیا جاے کہ اسکی حکمت نہین سمجھ مین آتی مصلحت اسکی نہین معلوم ہوتی۔ لہذا اسکو ترک کرنا چاہیے اور قبیح و مستنکر سمجھنا چاہیے ایسے مدعی ہین اتباع سنت کے حالانکہ امام نووی شرح صحیح مسلم مین انہی جریدتین کے بارے مین لکھتے ہین واذا کان العقل لا یعمل جعل لہ تمیز فیہا وجاء النص وجب المصیر الیہ ص۱۱ یعنی جب عقل پورے طور پر اسکی مصلحت کو دریافت نہین کرسکتی اور نص صریح موجود ہے تو اسکی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یعنی جریدتین کا استعمال کرنا چاہیے۔

جس باب جنائز کا اشارہ ابن حجر نے کیا ہے اُسکی حالت یہ ہی کہ امام بخاری نے ایک خاص باب اسکے لیے قرار دیا باب الجریدۃ علی القبر واوصی بریدۃ الاسلمی ان یجعل فی قبرہ جریدان ص۱۶۹ حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین در وصیت کی بریدہ نے کہ جریدتین اُنکی قبر مین رکھی جائین۔ اور موت اُن کی اوسے خراسان مین ہوئی ابن مرابط وغیرہ نے کہا ہے کہ محتمل ہی کہ بریدہ نے اسکا حکم دیا ہو کہ ظاہر قبر مین دو جریدے گاڑ دیے

جائین بغرض اقتدائے فعل نبی کہ حضرت نے بھی جریدتین کو قبر پر رکھا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ بریدہ نے قبر کے اندر رکھنے کا حکم دیا ہو کیونکہ درخت خرما مین خاص برکت ہے بسبب قول حق تعالیٰ کشجرة طیبة کے مگر احتمال اول زیادہ ظاہر ہے اور موید اسکا بھی یہ ہے کہ مصنف نے آخر باب مین اس حدیث کو وارد کیا اور بریدہ نے اس حدیث کو عام سمجھا کہ ہر شخص کو ایسا کرنا چاہیے۔ نہ یہ کہ خاص ہو انھین دونون قبرون سے جنپر عذاب ہوتا تھا۔

اسکے بعد یہ واقعہ لکھا ہے کہ عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی قبر پر ایکسا خیمہ نصب کرایا اور ایک خادم کو اسکی حفاظت کے لیے مقرر کیا جب ابن عمر آئے تو انھون نے خیمہ کو اکھڑوایا اور کہا اسکا عمل سایہ افگن ہوگا چونکہ اس واقعہ سے ہم کو غرض نہین ہے لہذا پہلی روایت بخاری کے بقیہ شرح کی طرف رجوع کرتے ہین۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہین کہ یہین اختلاف کیا گیا ہے کہ جن مردونپر عذاب ہو رہا تھا قبر مین وہ کافر تھے یا مسلمان ابو موسی مدینی نے تو اسکا یقین کیا ہے کہ وہ کافر تھے اور ابن عطار کا جزم اسپر ہے کہ وہ مسلمان تھے ورنہ حضرت تخفیف عذاب کے لیے کیون دعا کرتے ابن حجر لکھتے ہین کہ حدیث کے مجموعی طریقون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دونون قبرین مسلمانون کی تھین کیونکہ ابن ماجہ کی روایت مین ہے مر بقبرین جدیدین فانتفی کونھما فی الجاہلیہ کہ وہ دونون قبرین تازہ تھین تو معلوم ہوا کفار زمانہ جاہلیت کی قبرین نہ تھین۔ اور حدیث ابو امامہ مین ہے بروایت احمد کہ حضرت کا گذر قبرستان البقیع مین ہوا تو پوچھا آج کسکو تم نے یہان دفن کیا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ دونون مسلمان تھے کیونکہ بقیع مسلمانون کا قبرستان تھا اور خطاب بھی حضرت نے مسلمانون سے کیا اور روایت ابوبکرہ نزد احمد

طبرانی بھی اسی کی موید ہے جو بسند صحیح ہے کہ وہ دونون مسلمان تھے کیونکہ حضرت نے فرمایا ان دونون پر کسی بڑے امر کے سبب سے نہین عذاب ہوتا۔ صرف غیبت اور بول کے سبب سے عذاب ہو رہا ہے تو اس حصر سے بھی معلوم ہوا کہ وہ مسلمان تھے کیونکہ کافر پر گو بسبب ترک احکام اسلام کے بھی عذاب ہوتا ہے مگر کفر پر عذاب ہونا یقینی ہے یہان تک لکھکر فرماتے ہین اس حدیث مین بہت سے فائدے ہین ایک یہ کہ عذاب قبر سے ثابت ہی دوسرے اسمین تحذیر (یعنی ممانعت ہے) ملابسہ بول سے اور ملحق ہے اسکے ساتھ دوسری نجاستین بھی بدن کی ہون یا لباس کی انتہی صفحہ ۱۱۰۔

اگرچہ ان عبارتون کی نقل مین کچھ طول ہوا مگر اس سے چند فائدے حاصل ہوے۔

اوّل یہ کہ پیشاب سے احتراز کرنا اور اسکی نجاست کا خیال نہ کرنا ایسا گناہ کبیرہ ہے کہ حضرت کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع دیگئی **تو اب حضرت عمر کا اس کی مخالفت کرنا کس درجہ ایمان داری کی دلیل ہے اور ائمہ اربعہ کا بلا اختلاف اسے قبول کر لینا کس درجہ مخالفت سنت کی دلیل ہے۔**

دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس امر مین متابعت سنت رسول کرنا کیسا آسان ہے کہ بول کی طہارت کر لیا کرین۔ مگر اسمین بھی سنت رسول کی پیروی نہین کی جاتی تو امور مہمہ مشکلہ مین کیا امید ہو سکتی ہے اور جب ایسی باتون مین حضرت عمر نے مخالفت رسول کی اور اپنے اسلاف کی اتباع کو مقدم سمجھا تو جن امور مین کہ نفع دنیوی مترتب تھا کیون نہ مخالفت رسول کو ضروری سمجھین گے

تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ خود حضرت کے صحابی پر اسی وجہ سی عذاب قبر ہو

کہ وہ لوگ پیشاب سے پرہیز نہ کرتے تھے کیونکہ علاوہ روایات کے خود حافظ ابن حجر نے تصریح کردی کہ وہ سب مسلمان تھے جو قبرستان بقیع مین مدفون ہوئے تو پھر دوسرے صحابہ پر بھی اسیوجہ سے ضرور ہو سکتا ہے خصوصًا اس **شخص پر جس کی رائے و قیاس نے نجاست بول سے احتراز کرنے کو کم کردیا۔** اس روایت نے اہل سنت کے اس عقیدہ کی اچھی طرح قلعی کھولدی جو اپنے صحابہ کے بارے مین کہتے ہین کہ سب مغفور ہین اور سب بہشتی ہین۔

چوتھے یہ کہ حضرت نے ایک ہی دفعہ نہین اسکو ظاہر کیا بلکہ مکرر سہ کرر جسکے چند قصون کا اقرار ابن حجر کو بھی ہے حضرت نے ظاہر فرمایا کہ بسبب اجتناب نہ کرنے کے بول سے انپر عذاب قبر ہو رہا ہے مگر حضرت عمر نے مطلقاً نہ خیال کیا اور کلوخ کو جاری کیا اور تمامی اہل سنت نے بلا اختلاف اسے قبول کیا۔

پانچوین یہ کہ ان لوگون نے عام طور پر اس فعل رسول کو لغو سمجھا کہ جریدتین سے عذاب قبر مین تخفیف ہوتی ہے کہ کسی نے کچھ تاویل کی کسی نے کچھ بات بنائی مگر کسی طرح ان کی عقل مین یہ بات نہ آئی کہ جریدتین سے کیون تخفیف عذاب ہوتا ہے کہ آخر اس سے ممانعت کردی گئی اور کسی شخص کو اہل سنت سے جریدتین نہین دیا جاتا بلکہ شیعون کی اس پابندی سنت پر اعتراض کرتے ہین حالانکہ خود اسکے بھی راوی ہین کہ علاوہ سنت رسول حضرت بریدہ صحابی نے بھی اسکی وصیت کی کہ انکی قبر مین جریدتین رکھی جائین **تو اگر درحقیقت یہ حضرات متبع سنت رسول ہوتے تو ضرور اسپر عمل کرتے** جسمین حضرت نے نہایت درجہ اہتمام اور مبالغہ فرمایا بلکہ اگر **سنت صحابہ کے بھی متبع** ہوتے تو فعل حضرت بریدہ صحابی کی تقلید کرتے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا انکا فعل زیادہ تر قابل اتباع ہے اور ان چیزون کو کرنا چاہیے جس سے تخفیف عذاب مترتب ہے۔

تواب بدیہیہ یہ بات ثابت ہوئی کہ حضرات اہل سنت اصل مین متبع سنت رسول نہین ہین بلکہ سنت عمری کے پیرو ہین جبھی اس درجہ کلوخ سے لینے مین کد کرتے ہین جو صرف حضرت عمر کا فعل ہے اور جریدتین کا بھی اپنے مردون مین استعمال نہین کرتے حالانکہ یہ سنت رسول و عمل حضرت، بریدہ ضرورت اس کی ثابت ہی مگر چونکہ حضرت عمر نے یا انکے پیرودن نے اسکو لغو سمجھا لہذا آجتک یہ سلسلہ انکے یہان مطرود ہے گو امام بخاری اسکے لیے خاص باب ہی مقرر کرین۔

فعل حضرت بریدہ نے اور اہل سنت کی مخالفت نے انکے طرز عمل سے اور بھی اس خیال کو پختہ کر دیا کہ مقصود اصلی انکا اتباع سنت رسول نہین ہے کیونکہ حضرت بریدہؓ صحابی ان لوگون سے ہین جنکا میلان اہلبیت طاہرین

---

۵۱ نام انکا بریدہ ہے ابن حصیب اسلمی اسلام تولائے تھے قبل جنگ بدر جنگ حدیبیہ مین شریک ہوے اور بیعت الرضوان مین داخل تھے مدینہ مین سکونت تھی پھر بصرہ گئے بعدہ خراسان اور مرو مین وفات پائی بزمانہ یزید بن معاویہ دیکھو استیعاب جلد اول صفحہ ۱۷ حدیث ولایت ان علیا منی و انا من علی وھذا ولی کل مومن من بعدی انھین سے زیادہ مشہور ہے روضۃ الصفا مین ہی ہم صاحب غنیہ گوید کہ بعض گفتہ اند کہ بریدہ بن الحصیب اسلمی علمی مرتب داشتہ بمدینہ آورد و بر در سرائے مرتضی علی نصب کرد عمر ابن الخطاب باین معنی وقوف یافتہ و با او خطاب کرد کہ ہمہ خلق بابی بکر بیعت کردہ اند تو چرا مخالفت میکنی جواب داد کہ ما بغیر صاحب این بیعت با دیگرے بیعت نمیکنیم بعد ازان صحابہ مجمع ساختہ بریدہ را طلب کردند بریدہ حاضر شد از وی استفسار نمودند کہ حال تو چیست کہ امثال این کلمات از تو نقل میکنند بریدہ جواب داد کہ نوبتے حضرت پیغمبر مرا با خالد بن الولید با طائفہ ہمراہ علی ابن ابیطالب بجانب یمن فرستاد بخدا سوگند دران سفر ہیچ قربے را بر قرب علی دشمن تر و ہیچ فراقے را بر فراق او دوست تر نمیداشتم چون از سفر بازگشتم اول بخدمت حضرت شتافتم آن حضرت فرمود کہ علی را چگونہ گذاشتی من بنا بر کدورتے کہ از علی در دل داشتم عیب او کردم از سخن من تغیرے بر بشرہ مبارک آنحضرت ظاہر شد فرمود اے بریدہ لتقع فی رجل انہ لاولی الناس بکم بعدی

کی طرف زیادہ تھا۔ اور مخالفت شیخین کے علم بردار تھے اسیوجہ سے ان کا فعل قابل تقلید نہ سمجھا گیا **اب یہان ہم تمامی اہل سنت سے عموماً اور اہل حدیث سے خصوصاً بکمال ادب سوال کرتے ہین** کہ احادیث مذکورہ بالا کو ملاحظہ فرماکر انصافاً کہین کہ خدا ترسی اور دینداری اور اتباع سنت کا دعوی شیعون کو زیادہ مناسب ہے جو مطابق سنت رسول ہمیشہ بول کا استنجا پانی سے کرتے ہین اور کلوخ نہین لیتے اور مطابق سنت رسول و فعل حضرت بریدہ جریدتین کو میت کیساتھ قبر مین ضرور رکھتے ہین !! یا اہل سنت کو جو بہ سنت عمری کلوخ کے استعمال مین زیادہ مبالغہ کرتے ہین یہانتک کہ پانی موجود رہتے بھی وہ کلوخ ہی لیتے ہین۔ اور بمخالفت سنت رسول پانی سے استنجا کو لازم نہین جانتے اور بمخالفت سنت رسول و عمل حضرت بریدہ جریدتین کے استعمال کو اموات کے لیئے قابل مضحکہ جانتے ہین۔

اگر صرف انھین دونون مسئلون پر کچھ بھی غور کرین گے بلکہ بنظر سرسری بھی دیکھین گے تو اُن کو صاف معلوم ہو گا کہ سنت رسول اللہ سے ہرگز ہرگز ان کو کوئی واسطہ نہین بلکہ جو کچھ ہے وہ **سنت عمری** صرف عوام کی فریب دہی کے لیے سنت رسول کا دعوے کیا جاتا ہے۔

ہان وہ لوگ یہ کہہ سکتے ہین کہ ہم اپنے اعمال کو خصوصاً ولاے شیخین کو ایسا عمل صحیح سمجھتے ہین کہ عذاب قبر کا مطلقاً خوف ہی نہین اس لیے جریدتین کی ضرورت نہین۔ مگر جس شخص کو اسکا دعوی ہو کہ ہم بندہ خدا ہین کیونکر ایسا کلمہ منھ سے نکال سکتا ہے؟ جو خدا اور اسکے رسول پر حشر و نشر بر ایمان لاچکا ہے اور خدا کو غفور رحیم کے ساتھ جبار و قہار بھی مانتا ہو وہ کیونکر اسکا قائل ہو سکتا ہے؟ یہ دعوی تو صرف دہریون کو ہو سکتا ہے۔ جو

نہ خدا کو مانتے ہین نہ حشر ونشر ومعاد کو۔ جبھی تو وہ پیشاب کی طہارت کو پانی سے اور جریدتین کو ایک شئے لغو سمجھتے ہین۔ کہ پیشاب سے کیا عذاب ہوگا؟ اور خرما کی ڈالی کیا تخفیف عذاب کرسکتی ہے؟ اگر پاخانہ مین بدبو نہوتی طبعی کراہت اُس سے نہ ہوتی تو اسکے بھی دھونیکی ضرورت نہ تھی جبھی تو **حضرت عمر وابن الزبیر نے مدت العمر آبدست ہی نہ لیا۔**

کیسے افسوس کی بات ہے کہ رسول اللہ کے صحابی جنھین خود صحابہ نے غسل وکفن دیا اور اگر رسول اللہ صلعم نے اُنکے جنازہ کی نماز نہ پڑھی ہو تو صحابہ نے ضرور پڑھی ہوگی۔ اور جنت البقیع مین مدفون بھی ہوئے۔ اسپر تو بوجہ نہ پرہیز کرنے کے پیشاب سے اُنپر عذاب خدا نازل ہوا اور بریدہ سا جلیل القدر ان خدمات اسلام پر خائف رہے عذاب قبر سے جو جریدتین کے لیے وصیت کرجائے۔ مگر حضرت عمر اور اُن کی اُمت اہل سنت ایسے خدا کے بیٹے بنے ہین کہ باوصفیکہ طہارت بول بھی نہین کرتے اسدرجہ عذاب قبر سے مطمئن ہون کہ جریدین کی بھی اُنکو ضرورت نہو بلکہ اُسکو قابل مضحکہ سمجھین۔ تو اب بجز اسکے کیا کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ اہل سنت سنت عمری کے پابند ہین لہذا اس کلوخ مین جو سنت خاص حضرت عمر کی ہے اُس مین سب متفق ہین۔ اگر سنت رسول سے مطلب ہوتا تو کسی کو ائمہ اربعہ سے اس کا خیال آتا اور اختلاف کرتے جیساکہ دیگر مسائل مین صدہا قسم کا اختلاف کر رہے ہین۔ جن مین کوئی بھی حدیث حضرت کی موجود ہے مگر اس مسئلہ کلوخ مین کسی کو اختلاف نہین دیکھیے سنت رسول یہ ہے صحیح بخاری مین ہے

باب الاستنجاء بالماء قال سمعت انس ابن مالک قال

كان النبی اذا خرج لحاجة اجئ انا وغلام معنا اداوة من ماء يستنجی به ص١٢٦

باب ما جاء فی غسل البول وقال النبی لصاحب القبر كان لا يستتر من بوله ولم يذكر سوى بول الناس عن انس بن مالك قال كان رسول الله اذا تبرز لحاجته اتيته بماء فيغسل به ص٣٥

باب حدثنا محمد بن المثنى عن ابن عباس قال مر النبی بقبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان فی كبير اما احدهما فكان لا يستتر من البول واما الاخر فكان يمشی بالنميمة ثم اخذ جريدة رطبة فشقها نصفين فغرز فی كل قبر واحدة قالوا يا رسول الله لم فعلت هذا قال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا قال ابن المثنى وحدثنا وكيع قال حدثنا الاعمش سمعت مجاهدا مثله

پہلی روایت اگرچہ مطلق استنجا کے بارے مین ہے خواہ پیشاب سے ہو خواہ پاخانہ سے مگر اس کی دلالت پیشاب کے استنجا پر بھی واضح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہین واستدل البخاری بہذا الحدیث علی غسل البول کما سیاتی

اور دوسری روایت کے بارے مین حافظ مذکور فرماتے ہین والاستدلال بہ ههنا علی غسل البول اعم من الاستدلال علی الاستنجاء تکرار فیہ۔

اور تیسری روایت کے بارے مین لکھتے ہین والاستدلال بہ علی غسل البول واضح لکن ثبت الرخصة فی حق المستجمر فیستدل بہ علی وجوب غسل ما انتشر علی المحل ص٢٣١

یہ تین روایتین صرف صحیح بخاری کی ہین جن سے وجوب غسل بول

بصراحت تمام ثابت ہوا اور دو حدیثین اسکی صحیح مسلم مین بھی منقول ہین باب الدلیل علی نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه مین جس سے عام طور پر معلوم ہوا کہ ہمیشہ حضرت کا یہی دستور تھا کہ انس وغیرہ پانی لے جایا کرتے اور حضرت اس سے استنجا کرتے۔ اور قبل اس کے وہ حدیثین مذکور ہوئین جن سے معلوم ہوا کہ عموم عذاب قبر اسی وجہ سے ہو کہ لوگ استنزاہ نہین کرتے یعنی اسکی طہارت کی پروا نہین کرتے۔ تو اب غور کرنا چاہیے کہ حضرت عمر نے بمخالفت نص صریح رسول اللہ اپنی امت کے لیے عذاب قبر کا دروازہ کشادہ کیا یا نہین؟ اور اسپر عمل کرنیوالے جن مین ائمہ اربعہ تمام وکمال شریک ہین عامل بر سنت رسول ہین یا بر سنت عمر کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ نے تصریح کردی ہے کوئی حدیث نبوی اس بارے مین نہین ہے بجز فعل عمر کے۔

رہا ابن حجر کا یہ قول والاستدلال به علی غسل البول واضح لکن ثبت الرخصه فی حق المستجمر کہ اگرچہ اس حدیث سے استدلال کرنا غسل بول پر واضح ہے مگر مستجمر (کلوخ لینے والے) کے حق مین رخصت ثابت ہے کسدرجہ خلاف انصاف ہے کیونکہ کوئی حدیث صحیح بخاری مین یا اور کہین اس بارے مین نہین وارد ہے کہ حضرت نے بول کی طہارت مین استجمار کیا ہو پھر رخصت یعنی اجازت کہان سے ثابت ہوئی۔ اگر مراد رخصت سے یہ ہے کہ فعل عمر نے اسکی رخصت دی تو صحیح ہے مگر یہ اول نزاع ہے کہ بجز خدا و رسول کسی کے فعل کو احکام شرعی مین دخل ہے یا نہین جسکا جواب اہلسنت ہمیشہ یہی دیتے ہین کہ جواز حرمت کسی چیز کی بجز حکم خدا اور رسول اور کسی سے نہین ہو سکتی پھر اس کلوخ کو کیا عزت ہے جو فعل عمر سے اسکا جواز ثابت ہو جائے۔ زیادہ تر تعجب تو اسپر ہے کہ یہی ابن حجر اس درجہ امام بخاری کے مقلد ہین کہ بحث وضو مین

صرف اسوجہ سے کہ امام بخاری نے حدیث ابن عمر ویل للاعقاب من النار سے استنباط کیا تھا کہ غسل قدمین کرنا چاہیے نہ مسح رجلین۔ نصوص صریحہ کتاب سے سنت کو رد کردیا اور بہ تبعیت استنباط بخاری غسل کے قائل ہوئے[لہ] مگر نہ معلوم یہان امام بخاری نے کیا قصور کیا جو ابن حجر صاحب نے صرف رد حدیث نبوی ہی پر نہین اکتفا کی بلکہ استدلال امام بخاری کو بھی رد کردیا حالانکہ انھون نے تین حدیثین اس مادہ مین لکھین اور سب کی نسبت ابن حجر صاحب اقرار کرتے ہین والاستدلال بہ علی غسل البول واضح تو اب بجز اسکے کیا کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ بحث وضو مین خدا اور امام بخاری مین اختلاف تھا اس لیے حمایت امام بخاری رح بھی اور مسئلہ کلوخ مین چونکہ حضرت عمر اور امام بخاری مین اختلاف تھا اس لیے حمایت خلیفہ ضروری سمجھی گئی۔ کہ کسی طرح اُنکا ایجادی کلوخ جاری رہے اہل حدیث ان احادیث کو دیکھکر اسکے تارک نہو جائین بدعت نہ سمجھنے لگین۔ اسیوجہ سے اُسکے بارے مین رخصت کا دعوے کر بیٹھے۔ اُس سے بھی زیادہ عجیب یہ تاویل ہے کہ کہا فیستدل بہ علی وجوب غسل ما انتشر علی المحل کہ اس حدیث سے استدلال کیا جائیگا اُس پیشاب کے غسل پر جو منتشر ہوجاے اپنے محل سے۔ کیونکہ تینون حدیثون مین کوئی لفظ اسپر نہین دلالت کرتا کہ یہ طہارت انتشار علی المحل سے متعلق ہے اور چونکہ کوئی حدیث معارض اسکی نہین ہے جیساکہ شاہ ولی اللہ نے تصریح کی تو کوئی ضرورت بھی اس تاویل کی نہ رہی کیونکہ دوسری حدیث مین اسکی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت جب حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تھے تو ہم پانی لے جاتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ استنجا آپ کا

[لہ] دیکھو رسالۃ الوضو صـ۴۴

پانی سے ہوتا تھا اور آپ پانی سے طہارت کرتے تھے یعنی دھوتے تھے تو کیا حضرت کی نسبت کوئی خیال کر سکتا ہے کہ ہر دفعہ آپکو انتشار علی المحل پیش آتا تھا۔ اور کیا انس ابن مالک وغیرہ بھی اس راز سے مطلع تھے جو ہر دفعہ پانی لے جایا کرتے تھے۔

افسوس ہزار افسوس کہ یہ لوگ خود ہی اُن حدیثون کو بھی نقل کرتے ہین جسمین حضرت نے اسکی تصریح کی کہ عامہ عذاب قبر اسی وجہ سے ہی کہ وہ لوگ پیشاب سے احتراز نہین کرتے اور خود ہی یہ بھی لکھتے ہین کہ حضرت ہمیشہ بول کی طہارت پانی سے کرتے۔ مگر صرف تائید فعل عمر کے لیے سب حدیثون کو رد کر کے یا تاویل کر کے عذاب قبر کو قبول کرتے ہین اس سے بڑھکر اور کون سی دلیل اسکی ہوتی ہے کہ اصلی مذہب انکا اتباع عمر ہی نہ اتباع خدا ورسول۔

مولوی عبدالحی صاحب نے تو اور بھی کمال کیا کہ اسکی تصریح کر کے کہ کلوخ کا لینا کسی حدیث صریح سے ثابت نہین فعل عمری کے لیے ایک نئی تاویل سوجھی کہ حاشیہ شرح وقایہ مین لکھتے ہین واما فی البول فالغسل بالماء ثابت بھذہ الروایۃ واما استعمال الحجر فیہ فلم اطلع علی حدیث صریح یدل علیہ ان النبی فعلہ نعم یفھم ذلک من روایہ ابن ماجہ التی ذکرناھا آنفا فانہ یعلم منہ ان موضع استنجائہ کان غیر موضع قضاء حاجتہ وکان یکتفی ھناک بالاحجار ویغسل فی موضع آخر ویعلم منہ انہ کان یستعمل بعد البول ایضا حجرا او ترابا ونحو ذلک والا لزم ترائد النجاسۃ نعم ثبت ذلک صریحا عن عمر انہ کان یبول ویمسح ذکرہ بحجر او تراب

سلہ ۵ مولوی عبدالحی صاحب کی ادبیت اور عربیت اس تقریر مین قابل غور ہے کہ کس درجہ عالیہ پر فائز ہے ۱۲

لم یمسہ الماء ص ۵۵ شرح الوقایہ۔

یعنی پیشاب کے بارے مین تو طہارت کرنا پانی سے ثابت ہے کہ پانی ہی سے پاک کرنا چاہیے اور ایسے ایسے موقع پر کلوخ لینا کسی حدیث صریح رسول اللہ سے نہین ثابت ہے کہ حضرت نے کبھی کلوخ لیا ہو۔ ہان ابن ماجہ کی روایت سے جسے ابھی ہمنے ذکر کیا یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت کے استنجا کی جگہ اور تھی اور پاخانہ پھرنے کی دوسری جگہ تو وہان (جہان پاخانہ پھرتے) ڈھیلون پر اکتفا کرتے (کلوخ لیتے) اور یہان آکر دھو یا کرتے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت بعد پیشاب کے بھی پتھر یا خاک وغیرہ کا استعمال کرتے تھے (کلوخ لیتے تھے) ورنہ نجاست کا زیادہ ہونا لازم آتا ہے ہان **عمر کا یہ فعل البتہ بصراحت ثابت ہے** کہ وہ پیشاب کرکے کلوخ لیتے یا خاک ڈال دیتے اور اسکے بعد پانی سے نہین دھوتے۔

اس تقریر سے صاف معلوم ہوا کہ مولوی صاحب اسکی کوشش کر رہے ہین کہ **کلوخ** کی ایجاد کا سہرہ حضرت عمر ہی تک محدود نہ رہے۔ بلکہ رسول اللہ بھی ان کے شریک کیے جائین حالانکہ بصراحت خود لکھ چکے ہین کہ کوئی حدیث صریح اس مادہ مین نہین۔ پھر یہ تحریف کیونکر چل سکتی ہے؟ اور خود شاہ ولی اللہ صاحب نے اسے مذہب عمری مین لکھا ہے۔

اب اس حدیث ابن ماجہ کو دیکھیے جسکے مطلب سمجھنے مین آپ یہ خوش فہمی دکھا رہے ہین ففی سنن ابن ماجہ عن عائشہ ما رأیت رسول اللہ م خرج قط من غائط الا مس ماء یعنی سنن ابن ماجہ مین عائشہ سے روایت ہے کہ کبھی نہ دیکھا مین نے رسول اللہ کو پاخانہ سے نکلتے ہوئے بے آبدست کیے پانی سے۔ اب خدا کے واسطے ہمکو کوئی یہ بتا دے کہ اس حدیث مین کہان اسکا ذکر ہے کہ پاخانہ اور جگہ پھرتے اور آبدست دوسری

جگہ لیتے تھے جس سے دو مقام علیحدہ علیحدہ سمجھا جاے جیسا کہ آج کل بھی گنوارون مین جاری ہے کہ پاخانہ کہین پھر کر کسی گڑھی وغیرہ پر جاکر آبدست لے لیتے ہین۔ کیا مولوی صاحب نے اشرف المرسلین کی یہی شان سمجھی ہے ؟

مولوی صاحب کی یہ خوش فہمی اسوجہ سے پیدا ہوئی کہ الاستنجاء کو بعد خروج سمجھے کہ حضرت پاخانہ سے جب نکل آتے تھے تب آبدست لیتے تھے۔ حالانکہ حضرت عائشہ یہ بیان کرتی ہین کہ کبھی بغیر آبدست کیے ہوے آپ کو پاخانہ سے باہر آتے مین نے نہین دیکھا نہ یہ کہ حضرت پاخانہ سے باہر آکر کسی دوسرے مقام پر آبدست لیتے ہو؟

برین عقل و دانش بباید گریست

زیادہ تر افسوس تو اسکا ہے کہ خود اُسکے بعد یہ روایت لکھتے ہین۔ فی الصحیحین عن انس کان رسول اللہ یدخل الخلا فاحمل انا وغلام معی اداوۃ من ماء فیستنجی بالماء کہ حضرت جب پاخانہ تشریف لیجاتے تو ہم لوگ ظرف آب لیجاتے جس سے آپ استنجا کرتے جس سے بصراحت ثابت ہے کہ وہی پانی پہونچایا جاتا۔ برخلاف اسکے یہ تجویز کرنا کہ آپ دوسری جگہ جاکر آبدست لیتے کسدرجہ کی تحریف ہے اور اسپر یہ کہنا کہ یہان حضرت کلوخ لیا کرتے کسدرجہ کی ایمانداری ہے حالانکہ کسی لفظ سے اسکا وجود نہین پایا جاتا کیونکہ بفرض محال اگر پاخانہ کی جگہ ادر تھی اور آبدست لینے کی اور تو اس سے کلوخ لینا کہان سے نکلا کیونکہ نہ اُدہر نجاست کا احتمال تو اُسوقت ہوتا ہے کہ کسی کو عارضہ سلسل البول ہو یا ذرب کا معا کر نہ پاخانہ رکے نہ پیشاب۔ اسپر یہ دعوی حتمی انہ کان یستعمل بعد البول ایضا حجرا وترابا کیسا کھلا ہوا اتہام ہے کیونکہ یہان بطور حتم و جزم دعوی کیا کہ حضرت بعد پیشاب کے کلوخ لیا کرتے اور شروع مین کہہ آئے ہین کہ

کوئی حدیث صریح اس مادہ مین نہین ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب بھی نفی کلی کر رہے ہین اور خود حدیث مین بھی کوئی لفظ ایسا نہین ہی جس سے یہ سمجھا جاے نہ اُسمین پیشاب ہی کا ذکر ہے۔ پھر بجز افترا و اتہام اسکو کیا کہہ سکتے ہین کہ جواز فعل عمری کے لیے حضرت پر یہ ظلم کیا گیا حالانکہ حضرت عائشہ کی اس روایت نے کہ کبھی بغیر آبدست کیے آپ پاخانہ سے باہر نہ آتے اس احتمال کو بالکلیہ قطع کر دیا کہ کبھی آپ نے کلوخ لیا ہو۔ کیونکہ اس روایت کے صریحی مطلب تو یہی ہین کہ کبھی ایسا ہوا ہی نہین کہ آپ نے پانی سے آبدست نہ لیا ہو جس سے نفی کلی ہو گئی کلوخ لینے کی چہ جائیکہ اُنہی روایت سے کلوخ لینے کا اثبات کیا جاے اور اگر ان سب سے بھی قطع نظر کیا جاے تو مولوی صاحب کو کوئی فائدہ نہین کیونکہ اسکا تو اُن کو اقرار بھی ہے کہ اگر بفرض محال کلوخ بھی لیتے تو اسکی طہارت پھر پانی سے کر لیتے۔ پس کیا نفع ہوا کیونکہ وہ کلوخ اگر کافی ہوتا تو پھر حضرت اسکی طہارت پانی سے کیون کرتے جو مذہب حضرت عمر تھا اور اہل سنت مین جاری و ساری ہے کہ پانی رہتے ہوے بھی وہ کلوخ ہی لیتے ہین اور اسیکو مطہر اور پاک کرنے والا سمجھتے ہین حالانکہ انس والی روایت وغیرہ مین بھی بصراحت مذکور ہے کہ ہم ہمیشہ پانی لیجایا کرتے تھے آبدست کے لیے اور اسی کی موید وہ روایت بھی ہے جسے مولوی صاحب جامع ترمذی و مسند احمد و مسند بیہقی و مسند بزاز و مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ سے نقل کرتے ہین عن عائشۃ قالت للنساء مرن ازواجکن ان یغتسلوا اثر الغائط والبول بالماء فان رسول اللہ م کان یفعلہ وانا استحی منھم جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ حکم دیتی ہین عورتون کو کہ اپنے شوہرون سے کہین کہ وہ پاخانہ اور پیشاب کو پانی سے دھویا کرین کہ رسول اللہ یون ہی کرتے تھے۔

آن نصوص صریحہ کو دیکھکر بھی مولوی صاحب اسی فکر مین ہین کہ حضرت عمر کے کلوخ کو بفعل رسول ثابت کرین نہایت عجیب ہی۔

بہر حال جب خود شاہ ولی اللہ نے اقرار کیا ہے کہ کوئی حدیث مرفوع نہین ہے اس بارے مین بلکہ صرف فعل عمر سے ثابت ہے اور مذہب عمری مین اسکو لکھا ہے اور خود مولوی صاحب نے بھی اقرار کیا کہ کوئی حدیث صریح اس بارے مین نہین ہے تو محض ان کی ذاتی اور شخصی سمجھ سے کیونکر حضرت کا کلوخ لینا ثابت ہوسکتا ہے حالانکہ بتصریح اہل سنت ثابت ہے کہ خود صحابہ کی محض فہم اور سمجھ سے استدلال نہین ہوسکتا وہ حجت نہین۔

افسوس ہی کہ حضرات اہل سنت صرف مخالفت خدا و رسول ہی پر نہین اکتفا کرتے بلکہ اسپر یہ ترقی بھی کرتے ہین کہ خود حضرتؐ کو اپنی ایجاد کردہ شریعت کا تابع و پیرو بنانا چاہتے ہین جو صریحی مخالفت خدا و رسول ہے۔

بہر حال ہر ظاہر بین ان کے اہتمام و پابندی کلوخ سے یہی گمان کریگا کہ یہ لوگ ایسے **پابند سنت** ہین کہ بلا خیال و شرم و حیا ازخلائق وہ بات کر رہے ہین جس سے دیکھنے والے اپنی آنکھین بند کر لین۔ اور اگر بات چیت کی بھی ضرورت ہو تو منھ پھیر کر باتین کرین۔ مگر اب پردہ فاش ہو گیا اور سب کو معلوم ہوا کہ سنت رسول نہین ہے بلکہ سنت عمری ہے جس کی اس طرح تعمیل کی جا رہی ہے۔ کہ آیندہ و روند کا خیال ہے نہ ...... کا کیونکہ سنت رسول تو معلوم ہوئی ہے کہ **پیشاب کی طہارت پانی** سے کی جاے نہ بخاک و کلوخ جس کے بارے مین کوئی حدیث نہین۔

اب اس کلوخ لینے کی ترکیب بھی سن لیجیے کہ ہدایہ و شرح وقایہ یا دیگر

کتب معتبرہ فقہیہ اہل سنت مین اسکی ترکیب نہین لکھی ہے کہ پیشاب مین کس طرح کلوخ لیا جاے مگر مولوی عبدالحی صاحب اس کلوخ پر ایسا فریفتہ ہین کہ حاشیہ شرح وقایہ مین لکھتے ہین وهذا الاستنجاء من الغائط و ذکر الزاهدی کیفیته من البول ان یاخذه بشماله وعیره علی جدار او حجر او مدر و ذکر الشرنبلالی انه یلزم الرجل الاستبراء حتی یزول اثر البول ویطمئن قلبه ای بنحو مشی او تنحنح او غیر ذلك وفی المقدمة الغزنویه یفعل المرأة کما یفعل الرجل الا انه لا استبراء علیها بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطیفه ثم تمسح قبلها ودبرها بالاحجار ثم تستنجی بالاحجار صفحہ ۱۵۲ یعنی جو حکم استنجا کا شرح وقایہ مین مذکور ہے وہ پاخانہ سے تعلق ہے پیشاب کے کلوخ کی کیفیت زاہدی نے یہ لکھی ہے کہ بائین ہاتھ سے پکڑکر دیوار پر پتھر یا ڈھیلے پر رگڑینگے اور شرنبلالی نے لکھا ہے کہ مرد کو چاہیے بعد بول استبرا کرے جس سے اثر بول جاتا رہے اور قلب اسکا مطمئن ہو جاے ٹہل کر یا تنحنح کرکے یا اور کسی طرح اور مقدمہ غزنویہ مین ہے کہ عورتین بھی اسی طرح کلوخ لین جیسا کہ مرد لیتے ہین استبرا کی ضرورت نہین پیشاب کرکے تھوڑی دیر ٹھہر جائین اسکے بعد قبل و دبر کو پتھر کے ٹکڑون سے صاف کرین

سلہ اسکا ترجمہ یہ ہو کہ پہلا ڈھیلا پیچھے سے لاوے اور دوسرا آگے سے اور تیسرا پیچھے سے گرمی کے زمانہ مین اور آگے سے لاوے. پہلا اور تیسرا جاڑے کے دنون مین کیونکہ گرمیون مین خصیتین لٹکے رہتے ہین نیچے کی طرف تو آگے سے لانے مین خوف تلوث نجاست ہی پھر آگے سے لانا اور بعدہ پیچھے سے لانا مبالغہ ہے طہارت مین اور جاڑے کے دنون مین چونکہ یہ استرخا نہین ہوتا اسلیے اسکی ضرورت نہین اور عورتون کو ہمیشہ پیچھے ہی سے لانا چاہیے جاڑہ گرمی مین انکے فرق نہین شرح وقایہ صفحہ ۱۵۴

اسکے بعد کلوخ لین۔

چونکہ حضرت عمر کی سنت یہ بھی تھی کہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے جیسا کہ اسی ازالۃ الخفا مین عن عمر[1] قال رانی النبی ابول قائما فقال یا عمر لا تبل قائما ص۲۴

اسوجہ سے تو مردون کو اسکی تعمیل ممکن ہے کہ دیوار کو شرف کلوخ سے مشرف کرین مگر عورتین اس سنت کی کیونکر تعمیل کرینگی۔ بجز اسکے کہ زنانہ پاخانون مین مخروطی شکل کی دیوار بنائی جاے جس سے اس سنت کی تعمیل ہو سکے اگر وہ حضرات جو کلوخ لیتے ہین خلیفہ دوم کی اس سنت پر عمل کرتے کہ پاخانہ کی دیوار ہی کو یہ عزت دیتے رہتے تو شاید اسقدر انبار لگانے کی ضرورت نہوتی جس سے صاف ستھرے پاخانہ جنپر گچ کاری ہوئی رہتی ہے چونہ بھرا رہتا ہے ان کلوخون کے سبب ایسے گندہ ہوتے ہین کہ ہر قدم پر آدمی ٹھوکرین کھاتا ہے۔

ہان ہان خوب یاد آیا جس کتاب زاہدی سے مولوی عبد الحی صاحب نے کلوخ لینے کی ترکیب نقل کی ہے خود اُسی مقدمہ حاشیہ شرح وقایہ مین غیر معتبر بھی بناتے ہین مگر اس کلوخ کو وہ عزت ہو کہ غیر معتبر کتابون سے بھی اُنکو سند لانا ہوا مولوی صاحب ممدوح عمدۃ الرعایہ مین لکھتے ہین ومنها تصانیف نجم الدین مختار بن محمود بن محمد الزاهدی معتزلی الاعتقاد حنفی الفروع المتوفی سنہ ۶۵۶ کالقنیۃ والحاوی والمجتبی شرح مختصر القدوری و زاد الائمۃ وغیر ذلک فقد قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ

---

[1] تعجب ہی باوصفیکہ رسول اللہ نے بتصریح تمام خود حضرت عمر کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو منع کیا۔ مگر اسپر بھی شاہ صاحب اُسکو مذہب عمری مین لکھتے ہین جس سے معلوم ہوا کہ وہ اپنے مذہب سے باز نہ آئے اپنے اوسی مذہب قدیم پر قائم رہے کہ پیشاب کھڑے کھڑے کرنا چاہیے ۱۲ منہ

نقل الزاهدی لا یعارض نقل المعتبر النعمانیه فانه ذکر ابن وهبان انه لا یلتفت الی ما نقله صاحب القنیة مخالفا للقواعد مالم یعضد نقل من غیره ومثله فی النهر ایضا انتہی وفیه ایضا فی مواضع اخر الحاوی للزاهدی مشهود بنقل الروایات الضعیفة ص۱۱

مسلمانو! اب یہان تم ان روایتون کو پھر سے پڑھو جو رسول اللہ سے اس بارے مین منقول ہوئین اور حضرت عائشہ نے تمام عورتون سے بیان کیا کہ ہم مارے شرم کے نہین کہہ سکتے تم اپنے شوہرون کو سمجھاؤ۔

ان سب پر بالاتر یہ ہے کہ پیشاب کے کلوخ مین تو اسقدر کد ہے کہ کہ پانی رہتے ہوے کلوخ لیتے ہین بلکہ بغیر کلوخ کے طہارت ہی نہین ہوتی اور **برخلاف اسکے پاخانہ مین کلوخ لینے کی کوئی پروا نہین** حالانکہ پاخانہ کی طہارت کلوخ وغیرہ سے ایسی یقینی ہے کہ باتفاق فریقین سنت رسول سے ثابت ہے۔ یہانتک کہ بعض صحابہ نے تو مدت العمر مین ایکدفعہ بھی پانی کا استعمال آبدست مین نہ کیا ہمیشہ ڈھیلون اور پتھرون سے کام چلاتے رہے جیسا کہ حافظ ابن حجر لکھتے ہین۔

وقد روی ابن ابی شیبه باسانید صحیحة عن حذیفه بن الیمان انه سئل عن الاستنجاء بالماء فقال اذا لا یزال فی یدی نتن وعن نافع ان ابن عمر کان لا یستنجی بالماء وعن ابن الزبیر قال ما کنا نفعله ونقل ابن التین عن مالك انه انکر ان یکون النبی ؐ استنجی بالماء وعن ابن حبیب من المالکیه انه منع الاستنجاء بالماء لانه مطعوم۔ فتح الباری صفحہ ۱۲۶

ابن ابی شیبہ نے صحیح سندون سے روایت کی ہے حذیفہ بن الیمان سے کہ کسی نے سوال کیا پانی سے آبدست لینے کے بارے مین تو جواب دیا اگر

پانی سے آبدست لون تو کبھی ہاتھ سے بدبو نہ جائے۔ اور نافع روایت کرتے ہین کہ ابن عمر کبھی پانی سے آبدست نہ لیتے تھے اور ابن الزبیر کا بیان ہے کہ کبھی ہم لوگ پانی سے آبدست نہ لیتے اور ابن التین ناقل ہین امام مالک سے کہ وہ اسکا انکار کرتے ہین کہ کبھی حضرت نے آبدست پانی سے لیا ہو اور ابن حبیب سے روایت ہے جو مالکی ہے کہ پانی سے آبدست کرنا منع ہے کیونکہ پانی مطعوم ہے پینے کی چیز ہے بلکہ یہانتک ترقی کی گئی ہے کہ رسول اللہ نے اور عام صحابہ کیطرف اسکی نسبت کردی تھی کہ کبھی نہ لیتے جیسا کہ حاشیہ ہدایہ مین ہے سئل الحسن البصری عن الاستنجاء بالماء فقال سنہ فقیل لہ کیف ورسول اللہ والخیار من الصحابۃ فقد ترکوہ فقال انہم کانوا یبعرون بعرا وانتم تثلطون ثلطا صفحہ ٦٣

خوشا قسمت اہلسنت کہ ایسے ایسے صحابی نظیف الطبع اُن کے دین و ایمان کے مقتدا ہین جنھون نے کبھی آبدست ہی نہین لیا۔ پھر کیون نہ ایسی نازک خیالیان سوجھین۔ کہ خدا تو وضو مین پیر پر مسح کرنے کا حکم دے اور یہ لوگ اُسکا غسل کرین۔ اور پیشاب مین خدا و رسول بالخصوص پانی سے طہارت کا حکم دے اور یہ لوگ بہ تبعیت خلیفہ دوم صرف دیوار پر گھس دین یا کلوخ لینے کو کافی سمجھین بلکہ ضروری اور اسکو اس طرح برتین کہ نہ شرم باقی رہے نہ حیا۔ اور اسپر دعوی کرین اتباع سنت کا۔ اور پاخانہ مین اس طرح سنت کی مخالفت کی جائے۔ کہ کبھی بھولے سے بھی کلوخ نہ لین حالانکہ ابن عمر و ابن الزبیر اسطرح اسکے پابند ہون کہ مدت العمر آبدست نہ کرین۔ اب بجز اسکے کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اصل مین اہل سنت عمری ہین کہ انھین بدعتون کے پابند ہین جسکے موجد حضرت عمر تھے اور وہی افعال اُنکے سنت کہے جاتے ہین

چنانچہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ پاخانہ کا کلوخ چونکہ سنت رسول سے ثابت ہے لہذا یہان اختلاف ہوا۔ بخلاف حضرت عمر والے کلوخ کے پیشاب مین کہ کسی نے اسمین نہ اختلاف کیا یہانتک کہ اہل حدیث نے بھی اسپر کوئی اعتراض نہ کیا حالانکہ بہت سے مسائل مین ائمہ اربعہ کی مخالفت کرتے ہین۔

تنبیہ

اگر کوئی یہ شبہہ کرے کہ زمین یا خاک بھی تو مطہر ہے۔ پھر پیشاب کو کیون نہ پاک کرے گی۔ تو اگرچہ اس شبہہ کی اب گنجائش نہین رہی کیونکہ جب بحکم ما اٰتیکم الرسول فخذوہ ہم اسکے محکوم ہین کہ جو حکم حضرت دین اسکی تعمیل کرین خواہ وہ حکم حضرت کے قول سے ثابت ہو خواہ تقریر سے۔ نہ اپنے دل سے تو ضرور کہ ہوا کہ جو قاعدہ پیشاب کی طہارت کا حضرت نے مقرر کیا ہے کہ پانی سے اسکی طہارت کرین۔ اسکی پیروی کرنا چاہیے نہ اپنی خواہش کی۔ تاہم واضح ہو کہ اصل مطہر پانی ہے جیسا کہ امام شوکانی فرماتے ہین۔ والماء ھو الاصل فی التطهیر فلا یقوم غیرہ مقامہ الا باذن من الشارع نواب صدیق حسن خان اسکی شرح مین لکھتے ہین۔

لان کون الاصل فی التطھیر ھو الماء قد وصف بذلك فی الکتاب والسنة مطلقا غیر مقید بل قولہ الماء طھور یرشد الی ما ذکرنا ارشادا یشھد بہ قواعد علم المعانی وعلم الاصول فاذا ثبت عن الشارع ان تطھیر شی من المستنجسات یکون بغیر الماء کمسح النعل بالارض ونحو ذلك کان الماء غیر معین فی تطھیر تلك النجاسة بخصوصھا وتعین فیما عداھا وھذا ھو الحق صفحہ ۱۳

یعنی طہارت مین اصل شئے پانی ہے دوسری چیز اسکے قائم مقام نہین ہوسکتی

مگر باذن شارع کیونکہ کتاب وسنت مین پانی کو بلاکسی قید کے مطہر کہا ہی بلکہ حضرت کا قول الماء طہور۔ صاف تر اسکو بتا رہا ہے پس جب شارع سے کسی چیز کا طاہر ہونا پانی کے سوا اور کسی چیز سے ثابت ہوگا تو البتہ اسکی طہارت اسی طرح ہوسکتی ہے جیسا کہ جوتہ کے تلے کے بارے مین ہی کہ زمین کے گھسنے سے پاک ہوجاتا ہے اسکے سوا اور جتنی نجاستین ایسی ہین کہ اُسکا مطہر کوئی خاص نہین بیان کیا گیا ہے وہ سب پانی سے پاک ہوگا۔

پس جب یہ عام قاعدہ مقرر ہے تو اب دیکھنا چاہیے کہ پیشاب کے بارے مین کیا حکم ہے؟ کتاب وسنت کے احکام تو مذکور ہوے کہ اوسکی طہارت صرف پانی سے ہوتی ہے۔ مگر مخالفت اُن سب کے حضرت عمر نے دیوار پتھر کو بھی پیشاب کا پاک کرنے والا قرار دیا **تو اب مسلمانون کو** اختیار ہے **جس کی چاہین پیروی کرین** لطف تو یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ پیشاب کو نجاسات[۵۹] غلیظہ شمار کرتے ہین جس کی طہارت بغیر پانی کے نہین ہوسکتی حتی کہ کپڑے مین اگر پیشاب لگا ہو اور وہ خشک ہوجاے تو بغیر دھوے طاہر نہین ہوسکتا (دیکھو ہدایہ) اور اہل حدیث کے یہان تو زمین پر بھی اگر پیشاب پڑ جاے تو پانی اُس کا مطہر ہے **مگر حضرت عمر کا کلوخ ایسا مطہر ہے** کہ ان سب نصوص صریحہ کتاب وسنت کو بالاے طاق رکھکر پیشاب کو طاہر کر دیتا ہے اور بغیر کسی خیال کے اُسی طہارت خاکی سے نماز پڑھی جاتی ہے اور اتنی توفیق نہین ہوتی کہ مطابق حکم خدا ورسول پانی سے تو اُسکو پاک کرلین حالانکہ احادیث سابقہ سے معلوم ہوچکا کہ اس کی وجہ سے بالخصوص عذاب قبر ہوتا ہے۔

---

[۵۹] وقدر الدرهم وما دونه من النجس المغلظ كالدم والبول والخمر الخ هدایه

یہ بھی سمجھ رکھیے کہ شارع کی تاکید طہارت بول میں کیوں زیادہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ کفار و مشرکین عام طور پر اسکو نجس نہیں جانتے بخلاف پائخانہ کے جس سے نفرت و استکراہ طبعی ہے اسیوجہ سے زیادہ اہتمام کیا گیا پیشاب کی طہارت میں جو رقیق مثل پانی کے ہوتا ہے۔ اور غیر پابندان مذہب اُسکو لائق اعتنا بھی نہیں جانتے۔ اسیوجہ سے اسمیں زیادہ اہتمام کیا گیا اور اسکا مطہر بجز پانی کے اور کوئی چیز نہیں۔ بخلاف غائط کے کہ وہ غلیظ القوام ہے اُسکا مطہر شے غلیظ ہو سکتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں بھی اسکی تصریح مذکور ہے چنانچہ موزہ وغیرہ کی طہارت میں ہے وفی رطب لایجوز حتی یغسله لان المسح بالارض یکثرہ ولا یطهرہ کہ اگر جوتہ میں تر نجاست لگ جائے تو زمین پر گھسنے سے نہیں پاک ہوگا کیونکہ زمین ایسی نجاست کو بڑھا دیگی نہ کہ اسکو طاہر کرے۔ پس حیف ہے کہ جوتہ کی تر نجاست تو زمین پر گھسنے سے نہ پاک ہوا ور پیشاب کی نجاست مقام پیشاب کے رگڑنے سے زمین پر دیوار پر پاک ہو جائے پھر اسی ہدایہ میں ہے فان اصاب بول فیبس لم یجز حتی یغسله یعنی اگر جوتہ پر پیشاب پڑ جائے اور خشک بھی ہو جائے تو نہ طاہر ہوگا جب تک دھویا نجائے۔

بہر حال چونکہ مقصود اصلی یہاں اسیقدر ہے کہ کلوخ لینا فعل ناجائز ہے اور سنت رسول اللہ یہی ہے کہ اسکی طہارت پانی سے کی جائے لہذا علاوہ احادیث مذکورہ بالا دو چار حدیثیں اور خاص صحیح بخاری کی لکھی جاتی ہیں۔ باب الاستنجاء بالماء قال سمعت عن انس بن مالک یقول کان النبیؐ اذا خرج لحاجته اجیئ انا وغلام معنا اداوۃ من ماء یعنی یستنجی به۔ باب من حمل الماء لطهورہ و قال ابودرداء الیس فیکم صاحب النعلین والطهور والوسادة

حدثنا سلیمان بن حرب قال سمعت انسا یقول کان النبی اذا خرج لحاجته تبعته انا و غلام معنا اداوة من ماء۔ باب حمل العنزة مع الماء فی الاستنجاء حدثنا محمد ابن بشار سمع انس بن مالک یقول کان رسول اللہ یدخل الخلاء فاحمل انا و غلام اداوة من ماء یستنجی بالماء تابعہ النضر وشاذان عن شعبہ صفحہ ۲۰ فتح الباری یہ تین حدیثین ہین جن مین بصراحت تمام مذکور ہے کہ حضرت جب حاجت مین پیشاب یا پاخانہ کے لیے تشریف لے جاتے تو ہم (انس) اور ایک غلام پانی کا ظرف لیجاتے جس سے حضرت استنجا کرتے اور ظاہر ہے کہ پاخانہ کے ساتھ آدمی پیشاب بھی ضرور کرتا ہے اور لفظ حاجت عام ہے۔ تو معلوم ہوا حضرت کا یہی دستور تھا۔ اب انکی مخالفت کرکے کلوخ لینا کس درجہ مخالفتِ سنت کرنا ہوا۔ اسکے بعد بخاری صاحب نے ایک باب اس کا قرار دیا ہے باب لا یمسک ذکرہ بیمینہ اذا بال اور اس مین یہ حدیث لکھی ہے عن النبی قال اذا بال احدکم فلا یاخذن ذکرہ بیمینہ ولا یستنجی بیمینہ ولا یتنفس فی الاناء صفحہ ۱۲۵ کہ حضرت نے فرمایا جب تم مین سے کوئی شخص پیشاب کرے تو داہنے ہاتھ سے نہ ذکر کو پکڑے اور نہ داہنے ہاتھ سے آبدست لے اور نہ برتن مین پھونکے۔ اس سے بھی وہی حکم طہارت بآب نکلا۔ کیونکہ برتن مین پھونکنا اسیوقت ہوگا جب برتن بھی ہو۔ ورنہ اگر کلوخ سے کام لیا جائے تو کہان یہ حکم جاری ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر اسکی شرح مین لکھتے ہین ویحتمل ان یکون الحکمة فی ذکرہ ھنا ان الغالب من اخلاق المومنین التاسی بافعال النبی وقد کان اذا بال توضأ وثبت انہ شرب فضل وضوءہ فالمومن بصدد ان یفعل

ذلك فعلم ادب الشرب مطلقا لاستحضاره والتنفس فی الاناء مختص بحالة الشرب کما دل علیه سیاق الروایة التی قبله یعنی ممکن ہے کہ برتن مین پھونکنے کی ممانعت مین یہان یہ حکمت ہو کہ چونکہ **غالب اخلاق مومنین** سے یہی ہے کہ حضرت کے فعل کی ہر بات مین تاسی کرین اور حضرت کی عادت یہ تھی کہ جب پیشاب کرتے تو اُسکے بعد وضو کرتے اور یہ بھی ثابت ہو کہ حضرت نے بچا ہوا پانی وضو کا نوش بھی فرمایا[۹۵]۔ پس چونکہ مومنین اس فعل مین بھی حضرتؐ کی تاسی کرین گے لہذا آداب شرب کو بتا دیا کیونکہ ظرف آب کا پھونکنا اُسیوقت مین ہوتا ہو جب آدمی پانی پیتا ہو۔

پس زہے قسمت خلیفہ دوم وتمامی اہل سنت کہ اخلاق مومنین سے محروم رہے جنھون نے سنت رسول کی تاسی نہ کی اور بجاے طہارت آب کے خاک کی طہارت اُنکو پسند آئی۔ کلوخ لینے کو اپنا شعار بنایا۔ افسوس صد افسوس۔

بہر حال اس فقرہ نے کہ جب حضرت پیشاب کرتے تو اُس کے بعد وضو کرتے صاف بتا دیا کہ حضرت کی طہارت جب ہوتی تو پانی سے۔ تو اب سنت رسول کو ترک کر کے سنت عمری پر عمل کرنا کون مسلمان قبول کر سکتا ہے۔

بہر حال اِن حدیثون سے اہل سنت عموماً اور اہل حدیث خصوصاً سمجھ سکتے ہین کہ خدا ورسول نے اس سنت کے اجرا مین کتنی کوشش کی اور کس طرح سے احکام صادر فرماے ہین کہ کہین تو اُن لوگون کی مدح وثنا کی جو اس پانی والی طہارت کے عادی تھے اور اپنے فعل وطرز عمل سے تو ہمیشہ حضرت نے یہی ثابت کیا کہ طہارت یون ہی

---

[۹۵] اہل سنت اس مین بھی مخالفت کرتے ہین ۱۲

کرنی چاہیے۔ مگر حضرت عمر نے قدیمی سنت مشرکین کو جاری کرکے اُن سب احکام رسول صلعم کو منسوخ کردیا جس سے عام طور پر بلا اختلاف اون مذہب مین اُسنے رواج پایا اور رسول اللہ کی ساری محنت اس مادّہ مین برباد گئی۔

لطف یہ ہے کہ خود حضرت عمرؓ قیاس و راے کو مخالف سُنت کہتے ہین اور ان سب لوگون کو اعداے دین سے بتاتے ہین مگر خود حضرت عمر کی راے اور اون کا قیاس ایسا سدّ سکندر ہے کہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہین جبھی تو اُن کے قیاس نے رواج عام پایا کہ جیسا پاخانہ مین کلوخ لینا جائز ہو پیشاب مین بھی کلوخ لینا چاہیے۔ اور تمامی اہل سنت نے اس راے اور قیاس کو اُن کے قبول کرلیا اور سنت رسول کا کسی کو خیال نہ رہا اب آخر مین ہم ایک اور حدیث لکھتے ہین جس سے معلوم ہو کہ حضرت کو بول کی طہارت مین کس درجہ اہتمام تھا کتاب مجمع الزوائد مین ہے۔

باب الارتباء للبول۔ عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلعم یتبوّء لبولہ کما یتبوء لمنزلہ رواہ الطبرانی فی الاوسط وھو من روایۃ یحیی بن عبید بن دحی عن ابیہ ولم ارمن من ذکرھما وبقیہ رجالہ موثقون [1]

اس حدیث سے ہر شخص نتیجہ نکال سکتا ہے کہ رسول اللہؐ پیشاب کے لیے کس قسم کا اہتمام کرتے تھے اور حضرت عمر نے اوس کو کس طرح مٹایا۔

یہی وجہ ہے کہ جو لوگ سنت رسول کے خاص پیرو تھے وہ ان صحابہ کو

---

[1] ازالۃ الخفا مین خلیفہ دوم کا یہ خطبہ مذکور ہے قال قام عمر ابن الخطاب فی الناس فقال یا ایھا الناس الا ان اصحاب الرای اعداء السنۃ الخ ۱۲

جو سنت عمری کے تبع تھے ان الفاظ سے یاد کیا کرتے جیسا کہ شرح منار مین ہے وردہ علی رضہ وقال ما نصنع بقول اعرابی بوال علی عقبیہ یعنے جناب امیر نے ایک صحابی کے بارے مین فرمایا مین نہین سنتا اس اعرابی کے قول کو جو اپنے عقب پر پیشاب کیا کرتا۔ مولوی عبدالحلیم صاحب قمر الاقمار مین اسکی شرح مین لکھتے ہین۔ کان من عادۃ العرب الجلوس محتبیاً والبول فی مکان جلسوا فیہ اذا احتاجوا الیہ و عدم المبالاۃ بان یصیب البول اعقابہم وذلک من الجہل وقلۃ احتیاطہم منہ

اس عبارت سے بدیہتہً یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحابہ کی خلقی عادتون نے ابھی تک اپنے استقلال کو نہ چھوڑا تھا کیونکہ جس وقت کی یہ حدیث ہے کم سے کم چوبیس پچیس برس رحلت رسول کو گذر چکے تھے مگر وہ عادت نہ چھوٹی جو زمانہ جاہلیت سے پڑی تھی کہ پیشاب کی نجاست کا خیال نہ کرین جہان بیٹھتے ہون وہین پیشاب کردین اور اپنی جہالت پر اڑے رہین جس سے آخر جناب امیر نے ان صحابہ کی حدیث رد کردی۔

خدا کرے اب سے بھی اہل اسلام حضرت عمر کے اس فعل کو بدعت سمجھین

ے فیہ نہی عن الاحتباء فی ثوب واحد ھو ان یضم رجلیہ الی بطنہ بثوب یجمعھا بہ مع ظہرہ ویشدہ علیہا وقد یکون بالیدین وھذا لانہ ربما تحرک او تحرک الثوب فتبدو عورتہ ورأیتہ محتبیا بیدہ الاحتباء ان یجلس بحیث یکون رکبتاہ منصوبتین وبطنا قدامہ موضوعین علی الارض ویداہ موضوعتین علی ساقیہ صفحہ ۳۲ مجمع البحار الانوار گجراتی

جیسا کہ مسئلہ تراویح و مسئلہ طلاق ثلاث مین انکی بدعت کا اقرار کیا تاکہ تمامی مسلمانون کو طہارت کی پابندی ہو جس سے نماز و روزہ و دیگر ارکان دین تو درست ہون جیسا کہ امام نووی کا قول سابقاً مرقوم ہوا اور شرح ہدایہ مین بصراحت لکھا ہے کہ اس زمانہ مین پانی والی طہارت زیادہ مناسب ہی۔ اگر عقائد مذہبی مین نہین اتفاق ہوتا تو اعمال ظاہری مین تو کل مسلمان متفق ہون تاکہ غیرون کو معلوم ہو کہ کل مسلمان ایک خدا و رسول کے احکام کے تابع ہین۔ کیونکہ اب عام طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضرت عمر موجد بدعات تھے۔ پھر آپ اہل حدیث یا اہل سنت ہو کر کیون اُن کی بدعتون کی پیروی کرتے ہین۔

دیکھیے مولوی وکیل احمد صاحب لکھتے ہین بعض حضرات نے (مولوی صدیق حسن بھوپالی) تو غضب ہی کیا حضرت عمر کو صاف و صریح خاطی قرار دیا ہے انتقاد الترجیح مسائل لمحققین لکھتے ہین۔ واما قوله (عمر) نعم البدعة فليس فى البدعة ما يمدح بل كل بدعة ضلالة۔ پھر نہایت بیباکی سے حضرت عمر کو مخترع بدعت و ضلالت ٹھہرایا عبارت اُسکی بقدر ضرورت یہان لکھی جاتی ہے۔

ليس المراد بسنة الخلفاء الا طريقتهم الموافقة بطريقة من جهاد الاعداء و تقوية شعائر الدين و نحوها و معلوم من قواعد الشريعة ان ليس لخليفة راشد ان يشرع طريقة غير ما كان عليه النبى ثم ان عمر نفسه الخليفة الراشد سمى ما رآه من تجميع صلوته بدعة و لم يقل انها سنة۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ اُس شخص نے (صدیق حسن خان)

سلہ وکیل سنتہ فی زماننا صفحہ ۹۲

جماعت تراویح کو مخالف سرورِ عالم سمجھ کے اسپر طلاق سنت کا ناجائز خیال ہے۔ اصباح الحق الصریح صفحہ

پس باوصف ان اقرارون کے اب کیا ضرورت ہے کہ اُسی بدعت کی پیروی کی جاے جس سے نہ طہارت حاصل ہو نہ نماز درست ہو۔ اور اسکے علاوہ بدعتی کہلا یئن حالانکہ دعوی کیا جاتا ہے اتباع سنت کا

وھذا آخر الکلام فی ھذا المقام ولیس المقصود الا اشاعۃ
السُّنّۃ فی اھل الاسلام فانھا قد ضاعت اندرست
فی تلک الایام وآخر دعوینا ان الحمد للہ
ربّ العلمین والصّلوۃ علی سید المرسلین
والہ الطیّبین والسلام علی من اتّبع
الھدی حرّرہ العبد الافقر خادم
الشرع الاطھر السیّد
علی اظہر
غفرہ اللہ
الاکبر

جمادی الاولی
سنہ ۱۳۲۵ھ
ہجری

۹۰۳
۲
۵۶۹۵

حصول الانتقام من الاستنجاء بالماء

بسم الله الرحمن الرحیم

یہ رسالہ مولوی مبارک علی صاحب
اہلحدیث کی تصنیفات سے ہی جو مطبع انصاری
دہلی مین سنہ ۱۳۱۲ھ مین چھپا تھا بخیال اتمام حجت مین
اسکا خلاصہ مکرر شایع کرتا ہون کہ کم سے کم اہل حدیث تو اسپر عمل کرینگے
اس رسالہ مین صرف وہ عبارتین نکال دی گئی ہین جو زائد از ضرورت
تھین اسکے سوا نہ ایک حرف بڑھایا گیا ہی نہ گھٹایا
اصل رسالہ یہ ہے

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی رسوله الکریم صلی الله علیه واله وسلم **اما بعد** فقیر حقیر سراپا تقصیر **سید محمد مبارک علی** جملہ برادران اہل اسلام و متبع سنت خیر الانام کی خدمت مین عرض کرتا ہی کہ درمئولا ایک فتوی دربارہ سنت ڈھیلا لینے بعد پیشاب کے مزین بمواہیر مولوی محمد عثمان و میان جی حسین شاہ ولایتی و قاری رحیم بخش و بشارت خان وغیرہ جاری ہوا ہی خلاصہ مضمون فتوی کا یہ ہی کہ بعد پیشاب کے ڈھیلے سے استنجا کرنا سنت ہی اور جو لوگ کہ باتباع رسول الثقلین بعد پیشاب کے پانی سے استنجا کرتے ہین وہ گمراہ ہین اور مثل روافض وغیرہ کے اہل سنت والجماعت سے خارج ہین اور انکے پیچھے ہرگز نماز نہین ہوتی نعوذ بالله من ذلک الفہم۔ اس فتوی ناصواب کو دیکھکر جملہ مفتیان پر کہ علم و عقل دونون سے بے بہرہ ہین سخت افسوس ہوا اور مبالغتہً یہ مصرع زبان پر آیا۔ ع

برین عقل و دانش بباید گریست

افسوص صد افسوس بدعت کا ایسا زور ہوا ہی کہ سنت کے نام سے لوگ بھاگتے ہین اور بدعت کا نام سنت ٹھہراتے ہین

اگرچہ بزرگون کا قول ہی "جواب جاہلان باشد خموشی" مگر بمقتضاے حدیث شریف اذا ظهر البدعة وسكت العالم فعليه اللعنة یعنی جسوقت کہ ظاہر ہووے بدعت اور چپکا رہے عالم تو اسپر اسکے لعنت ہی۔ رجوع کرتا ہون طرف رد یعنی جواب فتوی ناصواب تمہے تاکہ احقاق حق و ابطال باطل ہو بمضمون آیۂ کریمہ جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

قال پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجا کرنا سنت ہی بدعت نہین جو اسکو بدعت کہے وہ گمراہ ہی اور گمراہ کرنے والا ہی۔

اقول ای حضرات مفتیان جیلجان تم آپ ہی گمراہ ہو اور گمراہ کرنیوالے جو سنت کو بدعت تبلاتے ہے نہین شرماتے یعنی پانی سے استنجا کرنا فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کہ ہمیشہ آپ زندگی مبارک مین بعد پیشاب کے پانی سے استنجا کرتے رہے اور اپنے اصحاب باصفا کو بھی یہی طریقہ تبلاتے رہے کہ بعد پیشاب کے پانی سے استنجا کرتے رہو اور ابتک جو لوگ اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بعون اللہ ثابت قدم ہین پانی سے ہی استنجا بعد پیشاب کے کرتے ہین پس لازم ہے اس عقیدہ فاسد تقلیدیہ سے توبۃ النصوح کرکے تجدید ایمان فرمایئے کیونکہ ان مسلمانون کو جو سنت رسول پر چلنے والے ہین گمراہ تبلاتے ہو اور مضمون حدیث تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ جو مسلمانون گمراہ کہے وہ خود گمراہ ہو جاتا ہی کسی بزرگ نے کیا اچھا کہا ہی ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ای مفتیان بے تمیز تمکو خدا کی قسم کیا یہ حدیث مروی حضرت عائشہ صدیقہ کی ترمذی شریف کے باب الاستنجاء بالماء نہ دیکھی ہوگی اور عربی دیکھنے کی لیاقت نہ تھی تو اردو ترجمہ ہی دیکھ لیا ہوتا

عن عائشة قالت مرن ازواجكن ان يستطيبوا بالماء فانى استحييهم فان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعله یعنی فرمایا حضرت عائشہ نے عورتون کو کہ حکم کرو تم خاوندون اپنونکو یہ کہ پاکی کرین ساتھ استنجے کے پانی سے پس بدرستیکہ حیا کرتی ہون مین ساتھ کہنے کے آدمیون سے پس تحقیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے استنجا کرتے تھے ساتھ پانی کے **وفی الباب عن** جریر بن عبد الله البجلى وانس وابى هريرة یعنی اور بیچ اس باب کے یعنی استنجا کرنیکے ساتھ پانی کی حدیث روایت کیگئی ہی جریر بن عبد اللہ بجلی سے اور حضرت انس اور حضرت ابی ہریرہ سے۔

قال ابو عیسٰی هذا حدیث حسن صحیح وعلیه العمل عند اهل العلم یعنی کہا ابو عیسی ترمذی نے یہ حدیث حسن صحیح ہی اور اوپر اسکے عمل ہی نزدیک اہل علم کے یختارون الاستنجاء بالماء یعنی اختیار کرتے ہین استنجے کو ساتھ پانی کے وانکان الاستنجاء بالحجارة یجزی عندهم یعنی اگرچہ ہی استنجا کرنا ساتھ پتھر کے جائز نزدیک انکے فانهم استحبوا الاستنجاء بالماء پس بدرستیکہ وہ مستحب کہتے ہین استنجا ساتھ پانی کے وبه یقول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی واحمد واسحق اور ساتھ اسکے قائل ہوے سفیان ثوری اور ابن المبارک اور امام شافعی اور امام احمد اور اسحق پس ان مفتی صاحب جونپوری سخت افسوس ہی کہ کیسے کیسے اکابر اور بزرگان دین کو یہ لوگ گمراہ بتلاتے ہین کیونکہ یہ جملہ بزرگان دین پانی سے استنجا کرتے تھے اور فتوی دیتے جیسا کہ عبارت مذکورہ بالا ترمذی سے بخوبی ظاہر ہوا اور مسلم شریف مین حضرت عائشہ سے روایت ہی عن عائشة قالت قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة والسواک واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاص الماء قال زکریا قال مصعب ونسیت العاشرة الا ان المضمضه زاد قتیبه قال وکیع انتقاص الماء یعنی الاستنجاء یعنی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس باتین پیدایشی سنت ہین ایک تو مونچھین کترنا۔ دوسرے داڑھی چھوڑ دینا۔ اور تیسرے مسواک کرنا چوتھے ناک مین پانی ڈالنا۔ پانچوین ناخون کاٹنا۔ چھٹے پورون کا دھونا (بالون کے اندر اور ناک اور کان کا دھونا) ساتوین بغل کے بال اکھیڑنا۔ آٹھوین زیر ناف کے بال لینا۔ نوین پانی سے استنجا کرنا مصعب نے کہا مین دسوین بات بھول گیا شاید کلی کرنا ہو۔ وکیع نے کہا انتقاص الماء سے جو حدیث مین وارد ہی استنجا مراد ہی۔ اب ہم امام اعظم صاحب دیگر علماء حنفیہ کے اقوال سے استنجا کرنا ساتھ پانی کے افضل ہونا اسکا ثابت کرتے ہین پنبۂ غفلت کانون سے نکالکر سنیے۔ مولانا سراج احمد صاحب سرہندی اسی حدیث ترمذی مذکورہ بالا کی شرح مین ارشاد فرماتے ہین " ونزد امام ابی حنیفه استنجا بآب افضل است در بحر الرائق نوشته است وغسله بالماء وافضل ای غسل المحل بالماء افضل لانه قامع للنجاسة والحجر مخفف لها فکان الماء اولی کذا ذکر الشارح الزیلعی یعنی اور نزدیک امام ہمارے ابی حنیفہ کے استنجا کرنا ساتھ پانی کے افضل ہی۔ بحر الرائق مین لکھا ہی یعنی دھونا

اسکا ساتھ پانی کے بہتر ہے یعنی اور دھونا محل نجاست کا ساتھ پانی کے بہتر ہے اسواسطے کہ پانی دور کرنیوالا نجاست کا ہے اور پتھر خشک کرنیوالا اسکا پس پانی بہتر ہے ایسا ہی ذکر کیا شارح دہلی نے اور شیخ الاسلام کہ بڑے اکابر علماء حنیفہ سے ہیں شرح بخاری شریف کہ بلقب شیخ الاسلام مشہور و معروف ہو فرماتے ہیں و تصحیح کردہ اند آنرا ائمہ حدیث پس ظاہر شد کہ حکایت استنجا از قول صحابیست ثابت است از آنحضرت در اصح روایت و این رد است بر کسیکہ مکروہ دانستہ استنجا کردن از آب ہکذا فی شیخ الاسلام شرح صحیح بخاری یعنی تصحیح کرتے ہیں ائمہ حدیث پس ظاہر ہوا یہ حکایت استنجا قول صحابی سے ہے اور ثابت ہے آنحضرت سے بیچ اصح روایت کے اور بیچ اسکے رد ہے اوپر اس شخص کے کہ مکروہ کہتا ہے استنجا کرنا پانی سے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہ جو ہندوستان میں جملہ حنفیوں کے سرگروہ ہیں اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں چون بول میکرد آنحضرت استنجا می کرد بر آب و وضو می ساخت یعنی جسوقت کہ پیشاب کرتے استنجا کرتے پانی سے اور وضو کرتے اور فقیہ ابن اللیث سمرقندی جو بڑے اکابر علماء حنفیہ سے ہیں تنبیہ الغافلین میں فرماتے ہیں وعن طاؤس عن ابن عباسؓ فی قولہ تعالی واذا ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن قال انی جاعلک للناس اماما قال ابتلاہ بطہارۃ خمس فی الراس و خمس فی الجسد فاما الذی فی الراس فقص الشارب والمضمضۃ والاستنشاق والسواک وفرق الراس و فی الجسد تقلیم الاظفار والختان ونتف الابط وحلق العانۃ والاستنجاء بالماء پس عبارت مذکورہ شرح بخاری شیخ الاسلام و شرح ترمذی مولانا سراج احمد صاحب سرہندی و اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شیخ عبدالحق صاحب و تنبیہ الغافلین فقیہ ابو اللیث سے بخوبی ظاہر ہے کہ ان بزرگان اکابر علماء حنفیہ مع امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی پانی سے استنجا کرنا افضل بلکہ مستحب ہے پھر بھی تم کو یہ فتوے دیتے ہوے شرم نہ آئی کہ پانی سے استنجا کرنا گمراہی ہے تبلادیا۔ اور بزرگان حنفیہ کو مع امام صاحب گمراہوں میں داخل کیا۔ آفرین باد برین ہمت مردانہ تو۔

قال حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استنزھوا عن البول الخ یعنی بچو پیشاب سے بہ تحقیق عام عذاب قبر کا پیشاب کے نہ بچنے سے ہے استنزھوا کی معنی پوری پاکی حاصل کرو اور پوری پاکی جب حاصل ہو کہ ڈھیلا لو ورنہ قطرہ کا خطرہ رہتا ہے فقط پانی کے دھونے سے استنزہ حاصل نہیں ہوتا۔

اقول اے صاحب اس حدیث سے آپکا مدعا یعنی ڈھیلے سے استنجا کرنا بعد پیشاب کے ہرگز ثابت نہیں ہوتا علاوہ برین حدیث شریف سے آپ کو کیا علاقہ کیونکہ قول و فعل رسول پر عمل کرنا تو ہم محمدیونکا حصہ ہے۔ تم تو کنز۔ قدوری۔ درمختار وغیرہ کے گھونٹے والے ہو ذرا غور کر کے ملاحظ فرمائیے اس حدیث کا خلاف انمین بخوبی موجود ہے۔ دیکھو پیشاب جانوران ماکول اللحم کو کسی کتاب مین نجاست خفیفہ اور کسی مین پاک لکھدیا ہے حالانکہ حدیث محررہ فتوی جو ثبوت مین لاتے ہو مطلق ہے عام پیشابون سے استنزاہ حاصل کرنے کو شامل ہے چنانچہ درمختار وغیرہ مین لکھا ہوا ہے کہ اگرچہ چہارم حصہ پارچہ پوشیدنی کا پیشاب جانوران ماکول مین تر ہو جاے تو نماز ہو جاتی ہے وعفی دون ربع بدن وثوب ولو کثیرا وھو المختار یعنی معاف ہے تمام بدن اور چوتھائی سے کم اگرچہ کپڑا بڑا ہو اور یہی مختار ہے۔ اور آگے جاکر تو مفصل فرماتے ہین من نجاسة مخففة کبول ماکول ومنہ الفرس وطہرہ محمد یعنی معافی ہے نجاست خفیفہ سے جیسے پیشاب جانوران ماکول اور اسی قسم سے ہے گھوڑیکا پیشاب اور جتنے جانور حلال ہین سبکے پیشاب کو امام محمد نے طاہر کہا ہے پس اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ پیشاب سے نہ بچنے پر اگر عذاب قبر ہوگا تو یہ حصہ بنام نہاد حنفیون کے ہے کہ جو پیشاب کو نجاست خفیفہ اور پاک بتلاتے ہین نہ کہ محمدیان عاملان بالحدیث کا اور یہ جو آپ فرماتے ہین کہ پوری پاکی جب حاصل ہوتی ہے کہ ڈھیلا لے ورنہ قطرہ کا خطرہ رہتا ہے یہ آپ کا محض وسواس ہے کہ ہم قول و فعل رسول اللہ مین عیب ظاہر کرتے ہو اجی صاحب اس آپکے قطرہ کے خطرہ کا علاج بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ بعد وضو کے پانی اپنی شرمگاہ پر چھڑک لیا کرے چنانچہ امام احمد بیچ مسند کے اور حاکم بیچ مستدرک کے اور دارقطنی اسامہ بن زید سے روایت کرتے ہین کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتانی جبرئیل فی اول ما اوحی الی فعلمنی الوضوء والصلوٰة فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفة من الماء فنضح بها فرجہ یعنی جبرئیل بیچ اسوقت کے کہ ابتدائی زمانہ نزول وحی کا تھا نزدیک میرے آئے پس مجھ کو وضو اور نماز تعلیم کی پس جبکہ وضو سے فارغ ہوے تو ایک چلو پانی لیا پس چھڑکا اس پانی کو اپنی شرمگاہ پر۔ اور شیخ عبدالحق صاحب اشعة اللمعات مین فرماتے ہین وصحیح آنست کہ مراد پاشیدن آب است بعد وضو براے دفع تطرق وسواس کہ اگر تری در ازار یافتہ شود در وسواس نیفتد

وحوالہ نکند انرا بہ آب کہ پاشیدہ بود درین سہ طریق وسواس ست و تعلیم امت است بان والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ومطہر است از وسواس یعنی اور صحیح ہی کہ مراد چھڑکنا پانی کا ہی بعد وضو کے واسطے دفع ہونے شبہ قطرے اور وسوسہ کے اگر تری ازار مین پائی جاوے تو وسوسہ مین نہ پڑے اور حوالہ کرے اسکو ساتھ اس پانی کے کہ چھڑکا تھا۔ یہ امر بند کرنیوالا ہی راہ وسوسہ کا اور تعلیم امت ہی ساتھ اُسکے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اور پاک تھے وسوسہ سے کیا یہ نسخہ پسندیدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و جبرئیل مین کہ جو تعلیم امت کے واسطے آپنے پسند فرمایا ہی آپکی پسند نہین ہی اور آپکے قطرے کے خطرے کو کافی نہین ہی۔ ہان مگر جبکہ مخالفت سنت سے منظور ہو تو پھر کیون تمکو پسند ہوگا۔ خیر صاحبان ہم کو تو پسند ہی کیونکہ ہم لوگ پابند قول و فعل پیغمبر صاحب کے ہین ہمکو تو دل وجان سی پسند ہی اگر تم کو پسند نہین تو ڈھیلے اور پتھرونسے سر پھوڑتے پھرو قبر مین جاکر معلوم ہوگا۔ ذرا درمختار کو انصاف سے دیکھو قطرہ تو در کنار دونون فرماتے ہین کہ اگر درم کے برابر آدمی کا پاخانہ کپڑے پر لگا ہو تو معاف ہی اور نماز ہو جاتی ہے وهو مثقال فی وزنہ عشرون قیراطا فی نجس کثیف لہ جرم وعرض مقعر الکف وهو داخل مفاصل الاصابع فی رقیق من مغلظۃ کعذرۃ آدمی یعنی درم بوزن ایک مثقال کی یعنی ۲۰ قیراط کے گاڑھی نجاست سے جیسے آدمی کا گوہ۔ غایۃ الاوطار مین تحت عبارت مذکور لکھا ہے نجاست غلیظہ ایکدرم معاف ہی بعضون نے درم کے وزن کا اعتبار کیا ہی اور اگر پتلی ہو تو مسافت کا اعتبار ہے ہندوانی نے دونون قولون مین توفیق دی ہے اسطرح کہ اگر نجاست گاڑھی ہی تو درم کے وزن کا اعتبار ہی اور اگر پتلی ہی تو مسافت کا اعتبار ہی۔

قال اور دوسری حدیث بخاری اور مسلم کی عبداللہ بن عباس سی روایت کیگئی ہی کہ دو شخصون کو عذاب قبر کا ہو رہا تھا آپنے فرمایا کان احدهما لا یستنزہ من البول یعنی تھا ایک ان دونون مین سی پیشاب سے نہین بچتا تھا اور ایک روایت مین لا یستتر آیا ہی کہ نہین کھینچتا تھا ستر کو کہ قطرہ نکلجاوے اور باقی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عذاب قبر پیشاب کے نہ بچنے سے ہوا پس جس بات پر کہ عذاب ہے اُس سے جسطرح ممکن ہو بچنا واجب ہی اکثر یہ کہ فقط پانی کے دھونے سے قطرہ موقوف نہین ہوتا پس لینا ڈھیلے کا ضروری ہوا بموجب ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشاب سے بچاو بہت کرد

اقول [illegible] اے عقل قرین اس حدیث اور اوپر کی حدیث کا ایک ہی مضمون ہو یعنی تاکید ہی پیشاب سے بچنے کی اور پاکیزگی حاصل کرنے کی ڈھیلے اور پتھر کا اسمین کہین نام ہی نشان کیا قاعدہ آپکو معلوم ہو کہ جیسے بعضی آیت بعضی آیت کی تفسیر ہوتی ہی اسیطرح بعضی حدیث بعضی حدیث کی تفسیر ہوتی ہی ان دونون حدیثون کی مفسر ایک تو وہ حدیث ہی ترمذی کی جو بروایت حضرت عائشہ اوپر ذکر ہو چکی اور ایک حدیث ہی جو خود آپنے ثبوت مین تحریر فرماتے ہین کہ ایک حدیث مین لا یستتر آیا ہی یعنی نہین کھینچتا تھا ستر اپنے کو کہ قطرہ نکلجاے اور باقی نرہے کیونکہ جسوقت پیشاب کو نفن کی طرح سونت نے تو بالکل قطرہ نہین رہتا یہ بھی سنت ہی آپ صاحبون نے پہلے لفظ لا یستنزہ ولا یستتر کا مطلب تو سمجھ لیا ہوتا کہ موافق ہی یا مخالف بقول شخصے **مصرع** چرا کاری کند عاقل کہ باز آید پشیمانی مگر یہ بات جب حاصل ہوتی ہی کہ جب عقل ہو اول عقل نہین دوم دروغ گورا حافظہ نباشد۔ تیسری دلیل لیجیے عن ابی ایوب وجابر وانس ان ھذا الایۃ لما نزلت فیہ رجال یحبون ان یتطہروا واللہ یحب المطہرین یعنی روایت ہی ابو ایوب اور جابر اور انس رضی اللہ عنہم سے یہ تینون اصحاب جلیل القدر روایت کرتے ہین کہ جسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ بیچ اس مسجد قبا کے چند مرد ہین کہ دوست رکھتے ہین یعنی مبالغہ کرتے ہین بیچ طہارت کے اور اللہ تعالی دوست رکھتا ہی مبالغہ کرنیوالون کو بیچ طہارت کے اور مراد ساتھ اس گروہ کے انصار ہین قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الانصار ان اللہ تعالی قد اثنی علیکم فی طہورکم فما طہورکم قالوا نتوضا للصلوۃ ونغتسل من الجنابۃ و نستنجی بالماء قال فہو ذاک فعلیکموہ رواہ ابن ماجہ یعنی یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اے گروہ انصار بدرستیکہ اللہ تعالی تحقیق تعریف کرتا ہی اوپر تمھارے بیچ طہارت کے پس کیا ہی طہارت تمھاری اور کیونکر کرتے ہو اسکو اور کیا مبالغہ کرتے ہو بیچ اسکے کہا گروہ انصار نے وضو کرتے ہین ہم واسطے نماز کے اور غسل کرتے ہین ہم جنابت سے اور استنجا کرتے ہین پانی سے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پس تعریف کرنا اللہ تعالی کا اوپر تمھارے بسبب اسکے ہی یعنی غسل بھی پانی سے وضو بھی پانی سے اور استنجا بھی پانی سے کرتے ہو پس لازم پکڑو تم اسکو یعنی بطور لازمی ہمیشہ

پانی سے استنجا کرتے رہو ۔ روایت کیا اسکو ابن ماجہ نے علاوہ ازین احادیث مذکورہ بالا کے ہر مذہب کے عقلا و جہلا بالاتفاق اس امر پر متفق ہین کہ جو پاکیزگی اور صفائی پانی سے حاصل ہوتی ہے وہ صفائی کسی چیز سے حاصل نہین ہوتی ۔

قال چنانچہ قرون ثلاثہ مین تعامل حضرت عمر کا ہوا مصنف ابن ابی شیبہ مین منقول ہے عن یسار، کان عمر اذا بال مسح ذکرہ بحایط او حجر ولم یمسہ ماء یعنی تھے حضرت عمر جب پیشاب کرتے لگاتے ستر اپنے کو ساتھ دیوار کے یا پتھر کے اور نہ لگاتے اسکو پانی ۔

اقول ۔ اے مفتیان صاحبان مین قسمیہ کہتا ہون کہ تم مین سے کسی نے ابھی تک اپنی آنکھ سے مصنف ابن ابی شیبہ کو نہ دیکھا ہوگا اگر اس اثر کی حقیقت آپکو معلوم ہوتی تو ہرگز اس سے استدلال نہ کرتے سچ ہے حبك شی یعمی ویصم یعنی محبت کسی شے کی اندھا اور بہرا کر دیتی ہے تو محبت تقلید نے تمکو اندھا اور بہرا کر دیا ۔

افسوس صد افسوس بلکہ ہزار افسوس اے مفتیان صاحبان بالفرض والتقدیر اس اثر حضرت عمر مدلولہ تمہاری کو صحیح بھی مان لیا جاے تو آپکی تقلید اسوقت پوری ہو کہ جب آپ بھی بعد پیشاب کے ستر کو دیوار یا زمین سے لگایا کرین ۔ یہ ڈھیلا جو آپ لیتے ہین بموجب اس اثر حضرت عمر کے خلاف حضرت عمر کے کرتے ہین اور بعد ڈھیلے کے پانی سے جو دھوتے ہو یہ دوسرا خلاف حضرت عمر کا ہے کیونکہ ولم یمسہ الماء جو اخیر فقرہ اثر مذکور کا ہے صاف کہہ رہا ہے کہ صرف زمین اور دیوار کے لگانے پر کفایت کرتے اور نہ چھوتے تھے پانی کو اور آپ اپنے دعوی مین تحریر کر چکے ہین کہ پوری پاکی جب ہوتی ہے کہ پہلے ڈھیلا لے اور پھر پانی سے دھو دے تو آپ کی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر بھی آدھی طہارت کرتے تھے اور ہمیشہ آپ کے نزدیک بموجب اثر مدلولہ آپکے سب تو نہین مگر آدھے نجس حضرت عمر بھی رہے نعوذ باللہ من ذلک ۔ ذرا سوچ سمجھ کے باتین کیا کرو بغیر سوچے سمجھے بات کرنا شیوہ نفاق ہے ۔

قال اور حضرت نے فرمایا ہے علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین من بعدی یعنی

میرے طریقہ کو پکڑو اور میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کو پکڑو اور حضرت عمر خلفاے راشدین سے ہین حضرت عمر کا طریقہ پکڑنا ایسا ہوا جیسا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ پکڑنا اس سبب سے حنفیون نے ڈھیلا لینا اور اسکے بعد پانی سے دھونا عین سنت اسلام ہے۔

اقول بیشک یہ حدیث صحیح ہے مگر اسکے سمجھنے سے آپ صاحبون کے افہام قاصر ہین اور قیاس مع الفارق مفتی صاحب محررین فتوی تو علوم دین سے محض معرا ہین لیکن جن تھوخیرانے اس فتوی پر العبد کیے ہین وہ بالکل جاہل بلکہ اجہل ہین ای ناواقفان علم حدیث علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین سے یہان وہی پابندی سنت رسول صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہو کہ جس طرح خلفاء راشدین اسکے پابند رہے ہین اسیطرح تم بھی پابند سنت رہو نہ یہ کہ ان کا قول وفعل پیغمبر کی سنت ہوجاے باوجود موجود ہونے قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کیا آپکو نہین معلوم کہ جب کوئی فعل کسی صحابہ یا خلفاء راشدین سے خلاف سنت صحابہ دیکھتے تو سخت ناراض ہوتے تھے چنانچہ مسلم شریف مین کئی حدیثین اس مدعا پر موجود ہین ایک دو بیان کیجاتی ہین عن عبد الرحمن بن یزید یقول صلی بنا عثمان رضی اللہ عنہ بمنی اربعۃ رکعات فقیل ذلک لعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم فرجع ثم قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم بمنی رکعتین وصلیت مع ابی بکر الصدیق بمنی رکعتین وصلیت مع عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) بمنی رکعتین فلیت حظی من اربع رکعات رکعتان متقبلتان یعنی عبد الرحمن نے کہا نماز پڑھی ہمارے ساتھ حضرت عثمان نے منا مین چار رکعت اور کسی نے اسکا ذکر عبد اللہ بن مسعود سے کیا تو انھون نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر کہا مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منا مین دو رکعت پڑھی۔ اور ابو بکر صدیق کیساتھ دو رکعت اور عمر ابن خطاب کے ساتھ دو رکعت پڑھی تو مین امید کرتا ہون کہ چار سے دو ہی رکعت پڑھی ہوتین تو بہتر تھا شارح نووی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح مین بیان کرتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کو یہ مخالفت حضرت عثمان کی

بری معلوم ہوئی اور حضرت عثمان کے فعل پر ایسا حسرت وافسوس کرکے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا کہ جیسی کسی عزیز کے مرنے پر پڑھتے ہین۔ اگر سنت خلفاے راشدین سے یہ مراد ہوتی کہ خلفا کا قول وفعل خواہ موافق رسول الثقلین ہو یا مخالف وسنت ہی ہے تو ابن مسعود جنپر تمام جہان کے حنفی اپنے مذہب کی بنیاد بتلاتے ہین کبھی افسوس اور غم نہ کھاتے اور کبھی فعل خلفا پر ناراض نہ ہوتے۔ دوسری حدیث مسلم مین اسطرح پر آئی ہے عن وبرة قال کنت جالسا عند ابن عمر رضی اللہ عنہما فجاءہ رجل فقال ایصلح لی ان نطوف بالبیت قبل ان اتی الموقف فقال نعم فقال فان ابن عباس رض یقول لا تطف حتی تاتی الموقف فقال ابن عمر رض فقد حج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فطاف بالبیت قبل ان یاتی الموقف فبقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق ان ناخذ او بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کنت صادقا یعنی وبرہ نے کہا کہ مین ابن عمر کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ کیا مجھے طواف کرنا قبل عرفات کے درست ہے ابن عمر نے کہا کہ ہان اُسنے کہا کہ ابن عباس تو یون کہتے ہین کہ جبتک عرفات مین نہ جاے تب تک طواف نکرے ابن عمر نے کہا کہ جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا عرفات مین جانے سے پہلے تو رسول اللہ کا قول لینا بہتر ہے یا ابن عباس کا اگر تو سچا ہے ۔۔ یہ جو فرمایا ابن عمر نے اگر تو سچا ایماندار ہے یعنی اگر تو ایمانداری مین سچا ہے اور نبی پر یقین سچے طور سے رکھتا ہے تو رسول کا قول شریف ہوتے ہوے کسی کے قول کی طرف التفات بھی نکر ابن عباس ہون یا ان کے والد عباس کیون نہون اس سے معلوم ہوا کہ رسول معصوم کا قول فعل ہوتے ہوی کسیکے قول پر چلنا خواہ صحابہ ہون یا امام یا مجتہد یا کوئی پیر و مرشد وغیرہ یہ سچے ایماندارون کا کام نہین ہے اور صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمر و حضرت عثمان تمتع یعنی عمرہ کرکے حلال ہو جانے اور پھر از سر نو حج کے لیے احرام باندھنے کو منع فرماتے تھے حضرت علی وغیرہ ان کے مخالف تھے بلکہ ترمذی مین ہے کہ عبداللہ بن عمر بھی اس مسئلہ مین باپ کے

مخالف تھے کسی نے عبداللہ بن عمر سے اسی تمتع کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے جائز فرمایا پھر سائل نے کہا کہ تمہارے باپ (حضرت عمر) تو منع کرتے تھے اسکے جواب مین عبداللہ بن عمر نے کہا کہ بھلا اگر ایک کام کو پیغمبر خدا نے کیا ہو اور میرے باپ نے منع کیا ہو تو کہو رسول اللہ صلعم کا اتباع کیا جائیگا یا میرے باپ کا اور صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمر پانی نہ ملنے کی حالت مین بھی جنبی کو تیمم کرنے سے منع کرتے تھے جسمین صحابہ انکے مخالف رہے بلکہ ان کی اس بات کو ائمہ مذہب سے بھی کسی نے قبول نہین کیا۔

تمام ہوا رسالہ حصول النقا باختصار

ختم الطبع

الحمد للہ کہ یہ رسالہ **الجمرۃ** مولفہ جناب فخر الحکما دام ظلہ جو مدت سے نایاب تھا دوسری مرتبہ طبع ہوا اور اسکے ساتھ بطور ضمیمہ خلاصہ رسالہ حصول النقا بھی طبع کیا گیا جو مولوی مبارک علی صاحب اہلحدیث کا رسالہ ہے اور پہلے مطبع انصاری مین چھپ چکا تھا مگر چونکہ اس رسالہ مین بھی **کلوخ** لینا بدعت عمری قرار دیا گیا ہے اسلیے بغرض فائدہ عوام و خواص بطور ضمیمہ طبع کیا گیا۔ جس سے امید ہے کہ ناظرین بہت مسرور ہون گے اور اس بدعت کو ترک کرین گے۔

اصل رسالہ مین ایک حرف کا تصرف نہین کیا گیا البتہ بغرض اختصار غیر ضروری باتین حذف کر دی گئین جن مین زیادہ تر وہ **لن ترانیان** تھین جو فرقہ احناف و اہلحدیث مین ہوا کرتی ہین بعض مطالب ایسے بھی ہین جو فرقہ شیعہ کے مخالف ہین مگر ان سے اسوجہ سے نہ تعرض کیا گیا کہ مولف اسکا **فرقہ اہلحدیث کا ایک عالم** ہے اور اس فرقہ کے عقائد و حالات معلوم ہین۔

اس رسالہ کے طبع کی ایک خاص ضرورت یہ بھی تھی کہ رسالۃ الجمرہ نے چونکہ عام طور سے فرقہ اہلحدیث کی بنیاد کو ڈھیلی کر دی جس سے عوام و خواص کو بھی معلوم ہونیگا کہ ان لوگون کا دعوی باتباع حدیث محض زبانی ہے ورنہ اصلی مذہب انکا دہنی ہے

جو محمد بن عبد الوہاب نجدی کا اختراعی مذہب تھا۔ اسلیے بعض حضرات کو رسالۂ کلوخ
سے ایک خاص طرح کی کاوش پیدا ہوئی جسپر چند مہمل اعتراض بھی بطور رسالہ کے
شایع کیے اور نام اسکا رمی الجمرۃ رکھا جسکا جواب بھی فوراً تحریر ہوا۔ مگر
بدانتظامی مطبع سے اسکے طبع کا سامان نہوسکا اسلیے مین نے اس رسالہ حصول
النقار مولفہ مولوی مبارک علی صاحب اہلحدیث کا خلاصہ شایع کیا تاکہ فرقہ اہلحدیث
کو معلوم ہو اس کلوخ کا بدعت ہونا ایسا واضح امر ہے کہ خود علماے اہل حدیث
بھی اسکے قائل ہین اور مخصوص رسائل اس مادہ مین لکھ چکے ہین تو اصل مسئلہ
گویا محقق ہو چکا کلوخ لینا بدعت ہے اہلحدیث کے نزدیک بھی بدعت ہے

رہی وہ دریدہ دہنی جو رسالہ رمی الجمرۃ مین کی گئی ہے اور اسکے لائق
مصنف نے اپنی شرافت کا ثبوت دیا ہے پس درحقیقت اس کا جواب یہی ہے کہ
کہ جواب نہ دیا جاے۔ مگر ناظرین مطمئن رہین کہ عنقریب وہ جواب بھی شایع ہوگا کیونکہ
اصل رسالہ مدت سے مکمل ہے اور اسکا نام الثمرۃ لرامی الجمرۃ ہے اس رسالہ مین تہذیب
و متانت کا خاص طور پر التزام کیا گیا ہے تاکہ تمام عالم کو فرقہ اہلحدیث
کی تہذیب بھی معلوم ہو اور اسکے ساتھ فرقہ حقہ شیعہ کا صبر و تحمل
بھی بہر حال چونکہ مقصود اصلی اس رسالہ کا خیر خواہی اہل اسلام ہے
کہ وہ کلوخ کو ترک کرکے پانی سے استنجا کرین جو سنت رسول اللہ
ہے لہذا تمام اہل اسلام سے ملتمس ہین کہ تعصب اور ضد
کو ترک کرکے حق کی طرف راجع ہون واللہ
بالغ امرہ واللہ یہدی من یشاء
الی صراط مستقیم

محمد حیدر

منیجر مطبع اصلاح